حکومتِ الٰہی

تالیف

مفکر اسلام علامہ ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

منت اللہ رحمانی

فہرست مضامین

حکومت الٰہی

۷۸۶

عرضِ ناشر

مفکر اسلام علامہ ابو المحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ (نائب امیر شریعت صوبہ بہار و ناظم اعلیٰ جمعیۃ علمائے ہند) کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، موصوف ان چند ہستیوں میں تھے جن میں اتفاقاً فکر و عمل کی قوتیں جمع ہو جایا کرتی ہیں، مولینا رح کی پوری زندگی بے پناہ جہد و عمل کا نمونہ تھی، جس کا مقصد وحید حکومت الٰہیہ کا قیام تھا، مولینا رح نے اپنی زندگی میں جو عملی قدم بھی اٹھایا۔ وہ صرف اس لئے کہ اس کے ذریعہ مقصد وحید کی راہ کھلتی تھی، جن لوگوں کو مولانا کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملا ہے، یا انھوں نے مولانا کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے، وہ اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ ان کی زندگی کا مشن "حکومت الٰیہ" کے سوا اور کچھ نہ تھا، کیونکہ مولانا پوری بصیرت کے ساتھ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ انسان کی انفرادی و اجتماعی فلاح و کامرانی اور انسانیت کا ترفع اور اس کی ترقی صرف اسی طرح ممکن ہے کہ انسان اپنی انفرادی زندگی کو اسلام کے بنائے ہوئے قالب میں ڈھالے، اور اپنی اجتماعی زندگی کا نظام اسلامی تعلیمات کے ماتحت استوار کرے اور تمام غیر الٰہی حکومتوں اور اقتدار سے منھ موڑ کر صرف الٰہی حکومت کا اپنے کو پابند بنائے، اور صرف اسی کے سامنے اپنے کو جوابدہ سمجھے، یہی وجہ تھی کہ

مولانا نے اپنی مخصوص بصیرت کے ساتھ جو اللہ نے ان کو عطا کی تھی، اور جو انہی کا حصہ تھی اپنی زندگی کا کافی حصہ اسلام کے اجتماعی نظام، اور حکومت الٰہی اور اس کی تفصیلات پر غور کرنے میں صرف کیا، اور جن لوگوں کو اس موضوع پر مولانا سے گفتگو کا موقع ملا ہے وہ اس امر کی شہادت دے سکتے ہیں، کہ حکومت الٰہیہ" یا "خلافت اسلامیہ" کا کس قدر مرتب اور مفصل خاکہ مولانا رح کے ذہن میں موجود تھا، اور ہندوستان میں صرف مولانا ہی کو یہ فخر حاصل ہے کہ انھوں نے اسلامی تعلیمات کی صحیح روشنی میں ہندوستانی مسلمانوں کی تنظیم اور ہندوستان میں ان کی اسلامی زندگی کا بہترین خاکہ تیار کیا اور اُسے پوری طرح مرتب کر کے عملی صورت میں امارت شرعیہ کے نام سے صوبہ بہار میں جاری کیا کہ اگر آج مکمل اقتدار حاصل ہو جائے، تو تھوڑے سے اضافہ کے بعد "امارت شرعیہ" "خلافت اسلامیہ" کی شکل اختیار کر سکتی ہے، بلکہ اس کی ہیئت ترکیبی ہی ایسی ہے کہ قوت کے حصول کے بعد وہ "خلافت اسلامیہ" کے سوا اور کوئی چیز بن ہی نہیں سکتی

آج جبکہ دنیا اپنے وسیع ترین علمی اور عملی تجربوں کے بعد ہر قسم کے غیر الٰہی نظام ہائے حکومت کو ناکام پا چکی ہے اور وہ ایک ایسے عادلانہ عملی نظام کی متلاشی ہے جو اسکے درد کا صحیح درماں اور اس کے مرض کا صحیح علاج بن سکے، ایسے وقت میں ضرورت تھی کہ مولانا رح ہی کے ایسا کوئی شخص

کھڑا ہوتا اور اس کے سامنے اسلامی نظریۂ حکومت کا نسخۂ شفا پیش کرتا، کہ
اس کی بیماری کی بھی دوا ہے اور اس کی صحت کا راز اسی میں مضمر ہے،

حضرت مولانا کی خود بھی یہ انتہائی خواہش تھی کہ کسی طرح وہ اپنے
دماغ کی امانت قلم کے سپرد کردیں، چنانچہ مولینا نے اس مسئلہ کے متعلق تمام
تفصیلات ابتداءً نوٹوں کی شکل میں یکجا کیں، اور پھر اس کو مرتب فرمانا
شروع کیا۔ ابھی زیر نظر "تمہید" ہی لکھنے پائے تھے، کہ داعی اجل نے آواز دی
مولانا رح نے لبیک کہا اور اس سے جا ملے جس کی بادشاہت ان کی زندگی
کا مقصد اور نصب العین تھا۔

یہ کتاب دراصل اس تفصیلی نظام کی تمہید ہے جس کو مولانا "حکومت الٰہیہ
کا مکمل نظام" کے نام سے لکھنا چاہتے تھے، لیکن اس "تمہید" میں بھی تقریباً
وہ تمام مضامین سمٹ آئے ہیں، جن کی ابتداً ضرورت تھی اور جن کے بغیر
نہ حکومت الٰہی کے مکمل نظام کو پیش کیا جا سکتا تھا۔ اور نہ سمجھا جا سکتا تھا،
اور اس لئے یہ "تمہید" خود بھی ایک قیمتی تالیف بن گئی ہے، ان حالات میں
میں نے پہلے اس کی اشاعت کو ضروری سمجھا۔ اور انتہائی مسرت ہے کہ آج
مجھے یہ سعادت نصیب ہوئی۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا، حکومت الٰہیہ کے نظام کی تفصیلات مولانا کے
جمع کردہ "نوٹس" میں موجود و محفوظ ہیں اگرچہ انکی ترتیب و تبویب کا

کام آسان نہیں لیکن کوشش کی جائے گی۔ کہ اس کو مرتب کر کے شائع کیا جائے۔

میرا فرض ہے کہ اس موقع پر میں اپنے بزرگ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کا شکریہ ادا کروں جنہوں نے اپنے کثرت مشاغل کے باوجود اس کتاب کے لئے مقدمہ لکھکر عنایت فرمایا۔

اس کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں میرا فریضہ ہے کہ اپنے محترم دوست اور مولانا کے قدیم ارادت مند خان بہادر نواب عبدالوہاب خاں ایم، ایل، اے، سابق وزیر مالیات بہار کا ذکر کروں جنھوں نے اس کی اشاعت میں معتدبہ مالی حصہ لیا۔

میں "مکتبہ سیفیہ" مونگیر کو بھی فراموش نہیں کر سکتا جس نے کتاب کی کافی جلدوں کی پیشگی قیمت دیکر اشاعت میں بڑی سہولیت پیدا کردی، اور میں اپنے ان تمام دوستوں کا بھی مشکور رہوں جنھوں نے کسی نہ کسی طرح میرا ہاتھ بٹایا۔ فجزاہم اللہ،

منت اللہ رحمانی

خانقاہ۔ مونگیر، ۷ دسمبر ۱۹۳۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از جناب مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد

خلافت راشدہ کے بعد اگرچہ "حکومت الٰہیہ" کا تصور تو قریب قریب ختم ہی ہو چکا تھا، تاہم تقریباً ایک ہزار سال تک چار دانگ عالم میں مسلم حکمرانوں کے اقتدار اعلیٰ کی گونج سنی جاتی رہی، یہ وہ زمانہ تھا کہ یورپ و ایشیا اور مغرب و مشرق کے باشندے بلکہ چھوٹے چھوٹے حکمران بھی مسلم تہذیب و تمدن اور رسوم و عوائد کی تقلید کو ضروری خیال کرتے اور فخریہ عنوان کے ساتھ اس کا ذکر محفلوں اور مجلسوں میں کرتے تھے!

یکایک تاریخ عالم نے ایک اور ورق الٹا، اور اندلس کی اموی حکومت اور بغداد کی عباسی خلافت کے اضمحلال کے ساتھ ساتھ یورپ میں بیداری کی صبح طلوع ہوتی شروع ہو گئی، اور کل کی وحشی اقوام نے تہذیب و تمدن کے نام سے آج کے لئے ایک نیا سانچہ تیار کرنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ماضی میں جس قوم (مسلم) کی تقلید مایہ صد نازش تھی مستقبل میں اس قوم نے خود اس جدید تہذیب و تمدن اور زبان و کلچر کی تقلید کو باعث فخر و مباہات سمجھ کر اس کے سامنے سر نیاز جھکا دیا۔ اور کل "جس شاگرد" کو

قرطبہ یونیورسٹی میں سب سے پچھلی نشست میں بیٹھنے کا حق حاصل تھا وہ آج اپنے استاذ کو یونیورسٹی میں پچھلی نشست دینے کو بھی تیار نظر نہیں آتا، گویا کل کے جہانبان آج کے غلام ہیں، اور کل کے وحشی غلام آج کے اقتدار اعلیٰ کے مالک و مختار، ماضی کے مجددین و مجتہدین علوم، حال کے بے علم و کور ذوق کہلانے لگے، اور گذشتہ دور کے جاہل و کم مایہ، حال کے مجددین علم و ہنر شمار ہونے لگے۔

انقلاب کائنات کی بساط کا یہ نقشہ کچھ اس طرح سیلاب کی مانند مغرب و مشرق پر چھایا کہ دنیا کا اکثر حصہ متحیر و مبہوت ہو کر غور و فکر کے بغیر اُس کی رو میں بہ گیا۔ فرق صرف اس قدر رہا کہ یورپ اور مغرب کے اکثر حصوں میں اس نے علم و آزادی کے نام سے سر نکالا اور ایشیا اور مشرق کے بیشتر علاقوں کو حاکمانہ اقتدار کے ذریعہ سے فتح کیا۔

اس مکروہ انقلاب کا سب سے زیادہ تاریک پہلو یہ ہے کہ آہستہ آہستہ اس کے زہر ہلاہل نے ان مسلمانوں کو بھی مسموم کر دیا۔ جو کبھی خدا کی اس دنیا کے بلا شرکت غیرے طبیب کامل تھے اور اس تقلید سے نہ غلام و محکوم بچ سکے اور نہ نام نہاد آزاد فرمان روا، سب ہی نے اس کو ذائقہ دار شربت سمجھ کر پی لیا۔ تاہم اس دور الحاد و زندقہ میں ہر جگہ چند ایسی غیر معروف مگر روشن دل ہستیاں ابھی نظر آتی ہیں، جو اس جذبۂ تقلید کا ہونے سے متاثر ہونے

کے بجائے اس سے متنفر اور اس کی سچی حقیقت کو حقیقت بین نگاہوں سے دیکھ رہی ہیں!

وہ اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے "الناس علی دین ملوکہم" کا مشاہد و محسوس مظاہرہ ہے، اور حکومت و اقتدار کا یہی منت انھوں نے اس راز کو نہ صرف جانا بلکہ بصیرت افروز آنکھوں سے مشاہدہ بھی کر لیا، کہ اسلام نے تعلیم روحانیت کے ساتھ "قوت و اقتدار" (خلافت) کو کیوں ضروری قرار دیا۔

اب حالت یہ تھی کہ بعض اس تاریک ترقی پر صبر و ضبط نہ کر سکے اور انھوں نے اپنی ہمت و عزم کو اس پاک مقصد "اسلامی اقتدار" کے احیاء و تجدید کے نوری عمل سامنے پیش کر دیا۔ اور اس کے لئے جان کی بازی لگا دی۔ سید احمد بریلوی رح اسمٰعیل شہید رح اور ان کے رفقاء کی تحریک پہلی تحریک تھی، جو شمالی ہند میں اس نظریہ کو کامیاب بنانے کے لئے اٹھی،

سنہ ۵۷ء کی تحریک، آزادی کا دوسرا دور تھا جس میں محمد قاسم نانوتوی رح رشید احمد گنگوہی رح اور ان کے رفقاء کار نے اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے جد و جہد کی، اور جنگ بلقان میں ترکی حکومت کے ساتھ برادرانہ رنگ میں وہ تیسری تحریک شروع ہوئی جس کی معراج و ترقی نے عظیم الشان انقلاب اور اتحاد اسلامی کی شکل میں زبردست جہاد کی بنیاد ڈالی

اور جس کے نتیجہ میں محمود الحسنؒ (شیخ الہند) اور ان کے رفقاء کار کو پانچ سال تک
مالٹا کی جیل کے مصائب برداشت کرنے پڑے اور اگر خلافت کی تحریک کا زور
ہندوستان میں نہ بڑھ جاتا، تو شاید پھانسی کی رسی کو بھی بوسہ دینا پڑتا۔

یہ تینوں تحریکیں وہ تھیں جن کا پروگرام اور نظام عمل، نظریہ اور مقصد
کی طرح ہندوستان میں براہ راست اسلامی اقتدار کا قیام تھا۔ لیکن اس
تیسری تحریک نے ترکی افغانی اور حجازی مدبرین اور صاحب اقتدار ہستیوں
سے تبادلہ خیالات کے بعد نیز ہندوستان میں خلافت کے لندنی مسلم وفد کی
ناکامی کے بعد یہ شکل اختیار کر لی کہ تمام عالم میں اسلامی اقتدار اعلیٰ (حکومت
الٰہیہ) کو بروئے کار لانے کے لئے نظریہ اور نصب العین کو بحالہ پیش نظر
رکھتے ہوئے نظام عمل اور طریق کار میں صرف اس قدر تبدیلی و ترمیم کر دی
جائے، کہ ہندوستان میں مختلف اقوام کو ایک متحدہ پلیٹ فارم پر جمع کر کے
سب سے پہلے ہندوستان کو اجنبی قاہرانہ و جابرانہ اقتدار سے نجات
دلائی جائے، تاکہ مقصد وحید کے لئے راہ کھلے، اور رکے ہوئے قدم
کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ سکیں۔

آزادی مذہب کے لئے آزادی وطن کا یہی دور تھا، جس میں شیخ
الہندؒ کے بعض تلامذہ اور متبعین نے اور ہندوستان کے بعض دوسرے
مقتدر علماء کرام نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ آزادی ملک کی جدوجہد میں

کہیں مقصد وحید اور حقیقی نصب العین فراموش نہ ہو جائے اور طریق کار کو کہیں نصب العین کا درجہ نہ دیدیا جائے، نیز مشترکہ جد وجہد میں حیات ملی کو کوئی نقصان نہ پہونچنے پائے، ایک ایسی جماعت کی بنیاد ڈالی "جو جمعیۃ علمائے ہند" کے نام سے آج تک روشناس اور متعارف ہے،

اسی مقدس جماعت میں ہم ایک زبردست عالم مفکر و مدبر اور قانون شریعت اور قانون سیاست کی اس جامع ہستی کو دیکھتے ہیں، جو قوت گویائی میں اگرچہ "واحلل عقدۃ من لسانی" کا منظر پیش کرتی ہے لیکن قوت فکر و عمل میں "بسطۃ فی العلم" کا پیکر نظر آتی ہے،

مولینا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ (نائب امیر شریعت صوبہ بہار) ہندوستان نے ان چیدہ علماء متجرین میں سے تھے، جو ہندوستان کی مشترک سیاسیات میں حصہ دار ہونے کے باوجود "حکومت الہیہ" کے اس نصب العین کو کبھی فراموش نہیں کرتے تھے، جو ان کی جد وجہد کا حقیقی محور و مرکز تھا!

علاوہ ان مختلف شہادتوں کے جو آپکی سوانح حیات میں جستہ جستہ نظر آتی ہیں، ہمارے اس دعوے کی زبردست شہادت حضرت مولینا کے یہ جگر پارے ہیں جو تحریری شکل میں آج ہمارے سامنے ہیں، اور جس پر مقدمہ لکھنے کی سعادت مجھ کو حاصل ہوئی ہے۔

حضرت مولانا سجاد رح کی یہ تصنیف یا تالیف درحقیقت توطیہ و تمہید ہے اس عظیم المرتبت دستور و نظام کی، جس کو مولانا "حکومت الٰہیہ کا مکمل نظام" کے نام سے اپنی زندگی کا شاہکار بنانا چاہتے تھے۔

حضرت مولانا رح نے بارہا یہ فرمایا کہ ہنگامی اسلامی ضروریات سکون و اطمینان کے وہ لمحات بہت کم میسر آنے دیتی ہیں، جو اپنی زندگی کے مقصد وحید یعنی "نظام اسلامی" کی ترتیب و تدوین میں صرف کئے جا سکیں، اور اس تصور سے دل ہر وقت مضطرب رہتا ہے۔ کہ کہیں اس کی تکمیل سے پہلے ہی اس دار فانی کو نہ چھوڑنا پڑ جائے، اے کاش کہ میں اس کو مکمل کر پاتا، تاکہ دنیا دیکھ لیتی کہ نظام اسلامی کے بغیر دنیا کی سیاسی، تمدنی، معاشرتی نجات ناممکن اور محال ہے۔

مولانا کی یہ غیر مکمل اور تمہیدی تحریر قارئین کرام کے سامنے سب سے پہلے جس چیز کی اہمیت کا اندازہ کراتی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی نظام حکومت اس وقت تک عادلانہ نظام اور عالمگیر امن کا پیغام ثابت نہیں ہو سکتا جب تک کہ واضع قانون کی شخصیت اور اس سے متعلق اوصاف و اطوار روز روشن کی طرح سامنے نہ آ جائیں، دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ جب تک کسی نظام میں روحانی اخلاقی اور مذہبی راہ سے امن و سلامتی اور مساوات و اخوت انسانی کے نظریات علم و عمل کی شکل و صورت نہ اختیار نہ

کریں اس نظام کا "نظام حکومت" و "نظام سیاست" کبھی عالمگیر اخوت دامن کا پیغامبر نہیں ہو سکتا، اس لئے ضروری ہے کہ نظام حکومت اور نظام سیاست مدلل سے پہلے اسلام کے مذہبی، روحانی اور اخلاقی نظام کی کچھ تفصیلات بیان کر دی جائیں اور اس کے بعد مقصد کتاب کو سپرد قلم کیا جائے۔

حضرت مولاناؒ نے تمہید میں اول قرآن عزیز اور عقلی دلائل سے اس جانب توجہ دلائی ہے کہ جبکہ خالق کائنات نے اپنی ربوبیت کاملہ سے ہر شے کی مادی ترتیب کا سامان فراہم کیا، اور استعدادات کے پیش نظر ان کو ان کے درجات ترقی عطا فرمائے ہیں، تو ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی شان ربوبیت کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جا سکتا، کہ اس نے عقل و شعور، ادراک و احساس اور جذبات و روح کے حامل انسان کی روحانی تربیت اور نشو و نما کا کوئی سامان مہیا نہ فرمایا ہو۔ اور جبکہ حیوانات کو اجتماعی اور انفرادی دونوں قسم کی زندگی کا احساس عطا فرمایا ہے، تو کیا حضرت انسان کی انفرادی زندگی کے علاوہ اجتماعی حیات کے لئے کوئی نظام مرحمت نہ فرمایا ہوگا، یہ کیسے ممکن ہے؟

اور اسی ضمن میں پھر نظام اجتماعی کی ضرورت پر عقلی بحث فرما کر اس کی اہمیت کو واضح اور مدلل فرمایا ہے۔ تاکہ فوضویت اور انارکی کے متعلق یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ بد فی الطبع انسان کی فطری احتیاج اجتماعیت

کے منافی ہے اور انسان کا شرف اور اس کا امتیاز ہی اس میں ہے، کہ وہ بہترین اجتماعی نظام کا مالک و حامل رہے۔

اس نظام اجتماعی پر بحث کرتے ہوئے انھوں نے واضح فرمایا ہے کہ حفاظت مال، حفاظت جان، اور حفاظت ناموس کا جذبہ ہر انسان کیلئے فطری اور طبعی ہے۔ اور ان ہر سہ امور کی حفاظت کا قدرتی تقاضا ہے کہ انسانی دنیا میں "اجتماعی نظام" بروے کار آئے۔

اس کے بعد مولانا نے یہ لطیف بحث فرمائی ہے کہ "اجتماعی نظام" کے برپا کرنے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ افراد انسان اور ان کی جماعتیں خود اس نظام کو ترتیب دیں، دوسرے یہ کہ انسان اور کائنات انسانی سے وہ بالاتر ہستی (خدائے برتر) اس نظام اجتماعی کو نازل فرمائے جس نے ساری کائنات کو نیست سے ہست کیا اور جو ہر شے کی فطری استعداد سے آگاہ ہے،

پہلی صورت میں امن عام اور رضاء جمہور ناممکن الحصول ہے۔ اس لئے وہ نظام اجتماعی (حکومت) خواہ شخصی حکومت کی شکل میں رونما ہو یا جمہوری حکومت کی صورت میں اس نقص سے کسی طرح خالی نہیں ہو سکتا۔ کہ انکے زیر اثر بنایا ہوا نظام حکومت، یا تو بعض افراد کے ذہنی رجحانات کا نتیجہ ہوگا۔ اور یا زیادہ سے زیادہ اکثریت کے ذہنی تصورات و خواہشات

کا آئینہ دار، اور ان دونوں میں سے کسی نظام کو بھی یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ یہ کل کائنات انسانی کے رجحانات کا عکس ہے، یا ان کی ذہنی، فکری اور عملی حیات کا مساویانہ کفیل ہے، کیونکہ جب وہ انسانوں کا بنایا ہوا ہے۔ اور تمام کائنات انسانی کے لئے ہے، تو پھر اس کی وضع میں کسی ایک فرد یا ایک جماعت ہی کو کیوں دخل ہو، اور جمہور یا اقلیت کو اس نظام کے مقابلہ میں کس لئے اپوزیشن کی جگہ پہ کھڑا ہونے کے لئے مجبور کیا جائے اور اگر ایسا ہو تو پھر یہ تمام کائنات انسانی کے لئے مساوات اور عادلانہ ہمسری کا حامل کب رہ سکتا ہے۔

پس باہمی رقابت کے جذبہ کو فنا کرنے اور اقلیت و اکثریت کے مباحث کو ختم کرنے، بلکہ ایک ہمہ گیر عادلانہ نظام اور مساوات عامہ کے عالمگیر پیغام کو روشن اور نمایاں کرنے کے لئے صرف دوسری ہی صورت صحیح اور درست ہو سکتی ہے یعنی وہ نظام حکومت انسانوں کا نہیں، بلکہ انسانوں کے خدا کا بنایا ہوا ہے۔ اور وضع قوانین و آئین کا حق صرف اس ذات تک محدود ہے، جو تمام مخلوق کے لئے یکساں مربی اور ان کی موت و حیات کے نظام کا بلا شرکت غیرے مالک ہے "ان الحکم الا للہ"۔ "الا لہ الخلق والامر" اس مقام پر حضرت مولانا نے عقل و نقل دونوں سے بہ تفصیل یہ ثابت کیا ہے کہ کائنات انسانی کے لئے جیسے عادلانہ

نظام حکومت کی ضرورت ہے، اس کے واضع کے اندر کس قسم کی صفات کا
وجود ضروری ہے اور پھر ہر صفت پر جدا جدا بحث کرتے ہوئے یہ ثابت
کیا ہے کہ بلا شبہ ایسی جامع ہستی کائنات انسانی میں نہ موجود ہے اور
نہ ہو سکتی ہے، اور یہ حق صرف ذات واحد ہی کو پہنچتا ہے کہ وہ نظام
اجتماعی کو وضع کرے۔ اور یہ بھی بتایا کہ دنیا نے جب سے اس تخیل اور
صحیح تصور سے عملاً انکار کیا اس وقت سے آج تک ہزاروں سلیقے
تیار کرنے کے باوجود وہ عادلانہ اور مساویانہ نظام اجتماعی کا قالب بنانے
میں ناکام رہی ہے۔ اس لئے تجربہ اور مشاہدہ نے بھی اس یقینی حقیقت
کا اعتراف کر دیا۔ کہ کائنات انسانی کے صحیح نظام اجتماعی کا قیام کائنات
کے مالک "خالق" "اللہ تعالیٰ" کے سوا اور کسی ذریعہ سے انجام نہیں پاسکتا
اس کے بعد خود بخود یہ بحث سامنے آجاتی ہے کہ اگر یہ صحیح ہے کہ
"عادلانہ نظام" کا حقیقی واضع "اللہ تعالیٰ" ہے تو پھر وہ کون سے طریقے
ہیں، ہم یہ معلوم کر سکیں کہ یہ قوانین خالق کائنات ہی کے وضع کردہ ہیں
اور کسی کاذب و مفتری نے غلط پوزلشن میں ڈال کر ہم کو یہ دھوکہ نہیں
دیا، کہ "من اللہ" ہے، چنانچہ ان متعدد طریقوں پر بحث کرتے ہوئے
کہ جو اس علم کے لئے صحیح ذریعہ معرفت ہیں "رسول" و پیغمبر کی ضرورت
پر مدلل اور مفصل بحث فرمائی ہے، اور یہ ثابت کیا ہے، کہ یہی وہ ہستیاں

ہیں جن کے بیان کردہ ذرائع علم کے توسط سے صحیح اور یقینی طور پر ہم یہ جان سکتے ہیں کہ یہ قوانین اور آئین "منجانب اللہ" ہیں، اور اس لئے یہ مقدس گروہ "حکومت الٰہیہ" کی خلافت فی الارض کے مستحق قرار دے جاتے، اور واضع قوانین کی جانب سے "خلیفہ الٰہی" کے منصب پر مامور نظر آتے ہیں اور یہی "خلافت حقہ" ان کے نائبین حقیقی میں جلوہ گر ہو کر کائنات انسانی کی فلاح و بہبود اور کامرانی کا باعث بنتی رہی ہے اور جب سے شخص یا پارٹی کی ذاتی اغراض و خواہشات نے اس نظام حق کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے انسانوں کے ہاتھوں میں "خدا کے اس حق" کو دیدیا ہے۔ اسی وقت سے انسانی دنیا باہمی رقابت و حسد اور جذبہ تفوق و برتری کے پیش نظر اجتماعی نظام کو فاسد اور درہم برہم بنائے ہوئے ہے، اور ناصیہ انسانیت پر کلنک کا ٹیکہ ثابت ہو رہی ہے۔

جدید مسائل اجتماعیت، معاشیات اور سیاسیات کے ماہرین کے لئے یہ بات بہت زیادہ حیرت کا باعث ہوتی ہے، کہ ان مسائل کی مشکلات حل کرنے اور ان کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھانے کے لئے خدا کے تصور، اس کی توحید کے تصور، رسالت، وحی الٰہی، حکومت الٰہی اور اس طرح کے دوسرے اعتقادات و ایمانات کے تصورات اور پھر صحیح تصورات کی کیا ضرورت ہے، اور ان مسائل میں اس قسم کے افکار کی کیا اہمیت ہے؟

لیکن وہ اس بات کو بالکل فراموش کئے ہوئے ہیں کہ ان کی یہی حیرانی اور اجنبیت ہے جس نے ہر قسم کی کاوشوں کے باوجود ان کو لیلیٰ مقصود کے وصل سے ناکام رکھا ہے اور طرز ہائے حکومت میں طرح طرح کے اہم مباحث و نکات پیدا کرنے اور علمی دریافت اور ذرائع معلومات کو وسیع سے وسیع تر بنا دینے کے باوجود آج تک حکومت کے اصل مقصد "امن عام" اور اخوت عام" کو بروے کار لانے میں نامرادی کی مہر لگا دی ہے۔

اگر وہ اس حقیقت کو سمجھ لیتے، کہ حکومت کے اس عظیم الشان مقصد کے حصول کی راہ جب ہی کھل سکتی ہے، کہ انسان کو انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی غلامی سے آزاد رکھا جائے، اور خالق کائنات اور مالک حقیقی کے بنائے ہوئے قوانین ہی کو تمام قوانین پر بالا و برتر کیا جائے تو پھر ان کو خود بخود یہ اعتراف کرنا پڑتا کہ بلا شبہ "حکومت الٰہیہ" اور "نیابت الٰہیہ" (خلافت) کے بغیر اس کارزار ہستی میں نہ امن عام نصیب ہو سکتا ہے، اور نہ انسانی برادری میں اخوت عام کا سکہ رائج ہو سکتا ہے اور یقیناً یہ طرز حکومت جب ہی رونما ہو سکتا ہے کہ انسان سب سے پہلے خدا، خدا کی صفات اور اس سے متعلق ضروری اور اساسی اعتقادات نیز اس کو احکم الحاکمین مان کر حکومت الٰہیہ کے حقیقی تصورات کو یقین محکم کے ساتھ قبول کرے۔ اور جب وہ یہ درجات طے کر لیتا ہے تو پھر اس کے

سامنے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے، کہ یہی ایک سیدھی اور صاف راہ ہے، جو ہم کو اور دنیا کے ہر جاندار کو "عالمگیر امن" "ہمہ گیر اخوت" خلاق کی ہمہ گیر وسعت سے ہم کنار کرتی ہے، اور حکومت اور قیام حکومت کے نصب العین اور مقصد وحید کو روز روشن کی طرح نمایاں کرتی ہے،

اس حقیقت کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے۔

لیکن بلاشبہ ان قوانین کے نفاذ و تنفیذ اور اس کی خلاف ورزیوں کے انسداد کے لئے یا یوں کہا جائے کہ مدنیت اور انسانیت کی استواری اور خوشگواری کے لئے "جماعتی نظام اور اس کے قیام" کی ضرورت ہر حال باقی رہیگی، اور وہ ان ہی اصولوں پر زیادہ مفید و موثر ہو سکتا ہے جن اصولوں پر خود اس پیغمبر نے خالق کی اصولی تعلیم و ہدایت کے ماتحت "جماعتی نظام" "قائم" کیا ہو، اور اس کے قواعد مرتب کئے ہوں، بلاشبہ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وہ تعلیم جو جماعتی نظام کے ہر شعبہ کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے خدا تعالیٰ ہی کی بتائی ہوئی تعلیم ہے اور پیغمبر نے اس کو اپنی جانب سے اختراع نہیں کیا، ورنہ پھر اس میں بھی وہی قباحت پیدا ہو جاتی، جو دوسرے انسانوں کے اپنے اختراعی قوانین کے ماتحت جماعتی نظام کی تشکیل میں پیدا ہوتی رہی ہیں، اور جس کی بدولت شخصی نظام حکومت، جمہوری نظام حکومت، سوشلزم کیمونزم، نیشنلزم،

نازی ازم، فیسزم اور اسی قسم کے سیکڑوں "ازم" اپنے اپنے طرز ہائے حکومت اور نظام ہائے جماعت کی تشکیل اور اس کے زیر اثر عملی اقدامات میں سیکڑوں اور ہزاروں برس کی جد وجہد کے باوجود آج تک اس مقصد عظمیٰ کو عنقا پاتے ہیں، جو "امن عام" "اخوت عام" "مساوات انسانی اور مواسات باہمی" کے نام سے موسوم ہے، دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ ان تمام نظامہائے اجتماعی میں یہ الفاظ کم و بیش فرق کے ساتھ ہمیشہ الفاظ ہی کے قالب میں نظر آیا کئے اور کبھی صحیح طور پر شرمندہ معنی نہ ہو سکے،

اور جب یہ نظامہائے اجتماعی اپنے رقیبانہ اور انتقامانہ انقلاب میں کامیاب اور بار آور ہوئے ہیں ہمیشہ اپنے نتائج و ثمرات کے لحاظ سے انسانی دنیا کی عام فلاح و بہبود اور روحانی اور اخلاقی برتری اور انسانی مواسات و ہمدردی کے بجائے زیادہ سے زیادہ بدامنی، بے چینی و اضطراب، باہمی آویزش و رقابت پیدا کرتے رہے۔ اور باہمی کشت و خون اور بہیمانہ جنگ و پیکار کی جہنم میں دنیا کو جھونکتے رہے ہیں۔

تو ان حالات میں کیا ایک "مرد باخدا" کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ دنیا اگر واقعی اور حقیقی امن و عافیت اور سچی مواسات و ہمدردی عام کی طالب اور متلاشی ہے۔ تو یہ دولت بے بہا صرف اسی نظام اجتماعی کی بدولت حاصل ہو سکتی ہے، جو کائنات کے خالق اور دنیا رانسانی

کے مالک حقیقی کی جانب سے اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ دنیا کے سامنے پیش کیا گیا ہے اور جس کی اساسی اور بنیادی دستور کی تشکیل قرآن عزیز اور اس کی تفسیر احادیث نبوی نے ہمارے سامنے پیش کی ہے۔

حضرت مرحوم ابھی اس حقیقت کے لیست وکشاد اور اسی جماعتی نظام کے بنیاد کار کے حل مشکلات تک پہنچے تھے، اور اب وقت آیا تھا کہ اس بحث سے فطری طور پر پیدا شدہ اس سوال کا جواب دیا جاتا جو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے خود ان سطور میں اس طرح نقل فرمایا ہے۔

"اب سوال یہ ہے کہ وہ جماعتی نظام کیا ہے، اور اس کے قواعد وضوابط کی تفصیلات کیا ہیں؟

یہ ایک مستقل موضوع ہے جس پر انشاء اللہ دوسرے باب میں تفصیلی بحث کی جائے گی"

کہ اجل نے آکر یہ پیغام سنایا "کل نفس ذائقۃ الموت" اور مولینا نے فوراً لبیک اللھم لبیک کہکر اس کا خیر مقدم کیا، اور افسوس صد افسوس کہ سوال تشنہ جواب ہی رہ گیا،

"نظام اجتماعی" "حکومت الٰہی" یا "خلافت ربانی" کچھ بھی کہئے ایک ایسے آئینی دستور کا حامل ہے جس کے اساسی اور بنیادی دفعات میں انسانی

افکار وخیالات کا مطلق دخل نہیں، کیونکہ یہ افکار وخیالات اوہام، وساوس اور سوء فہم سے اکثر ملوث رہتے ہیں اور ماحول کے اثرات کو اپنے اندر غیر ارادی اور غیر شعوری طور پر جذب کئے ہوئے ہوتے ہیں، پس اگر کسی نظام اجتماعی کے دستور وآئین اساسی اور بنیادی دفعات میں ان افکار وخیالات کو دخل ہوگا، تو بلاشبہ وہ ان تلویثات وتکدرات سے ہرگز پاک نہیں ہوگا، اور ایسی صورت میں وہ اجتماعی نظام کسی حال میں بھی "صالح نظام" صحیح نظام نہیں کہلایا جاسکتا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک انسان یا انسانوں کی ایک جماعت جب بھی دنیاء انسانی کے لئے کسی نظام کی تشکیل کرے گی تو اس کے لئے ناممکن ہے کہ وہ اپنے ماحول کے اثرات سے یکسر پاک ہو جائے، کیونکہ ماحول کا اثر انسان کے رگ وریشہ میں اس طرح سرائیت کئے ہوئے ہوتا ہے کہ متاثر ہونے والی ہستی یا جماعت کو خود ہی یہ شعور نہیں ہوتا کہ وہ دفعتی اپنے ماحول سے متاثر ہے۔ اسی طرح اگر وہ کسی دوسرے انسان یا دوسری جماعت کی بداعمالیوں، بدکرداریوں اور مظالم کے انسداد کو پیش نظر رکھے ہوئے ہے تو اس کے لئے یہ بھی محال ہے کہ وہ اپنے مجوزہ نظام میں ایسے احکام کو جگہ نہ دے جس میں رقابت وانتقام کی بو آتی ہو، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ احکام تمام دنیاء انسانی کے لئے یکساں طور پر محبت و

وہمدردی بلکہ رحمت، امن اور عافیت کا پیغام بن سکیں، اور اگر یہ سب کچھ نہ بھی ہو، تو افرادِ انسانی یا جماعت ہائے انسانی کی باہمی آویزش اور امن و عافیت کی تباہی یا یوں کہہ لیجئے کہ کسی نظام کے فساد کے لئے یہ بہت کافی ہے، کہ ان میں سے ایک واضع قوانین ہے اور دوسرا ان قوانین کے سامنے سرخم کرنے والا،

پس دنیاء انسانی کے امن عام اور عالمگیر اخوت کے لئے از بس ضروری ہے کہ اجتماعی نظام کے لئے ایک ایسا دستور و آئین ہو جس کی اساس و بنیاد انسانی افکار و خیالات سے بالاتر ہو اور وہ انسانوں کا نہیں بلکہ انسانوں کے خدا کا فرمودہ ہو۔ کیونکہ حقیقی آمریت اسی کو حاصل ہے، اور باقی تمام کائنات اسی آمریت کی آغوش رحمت کی پروردہ ہے۔

الا له الحکم :۔ خبردار رہنا چاہئے، کہ "حکم" اس (خدا) کے لئے ہے، (قرآن)

وهو احکم الحاکمین اور تمام حکمرانوں سے بہتر حاکم وہی (خدا) ہے، "

ان الحکم الا للہ بلا شبہ "حکم" کا حق کسی کے لئے نہیں ہے صرف ایک خدا کے لئے ہے، "

پس یہی اساس و بنیاد ہے اس "اجتماعی نظام" کی جس کو حضرت مولینا باب دوم میں پیش فرمانے والے تھے اور افسوس کہ مولینا ئے مرحوم اس اہم اور عظیم الشان تمہید کے بعد اس دوسرے باب کی تکمیل نہ فرما سکے، جو۔

ایک مکمل دستور اور بے نظیر جاعتی نظام کی شکل میں سامنے آتا، اور خلافت راشدہ کے تیس سالہ عملی نظام کی تدوین کا شاہکار بنتا،

تاہم یہ مسرت کا مقام ہے کہ جس مقصد عظمیٰ کے لئے حضرت مولیناؒ نے قلم اٹھایا تھا اور قرآن، حدیث اور فقہ اسلامی کی قابل رشک بصیرت کے ساتھ وہ اس کو ترتیب دینا چاہتے تھے، آج اس خدمت کے لئے ملک کے چند ارباب قلم بہت زیادہ متوجہ نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اسلام کا اقتصادی نظام اس جاعتی نظام کی ایک اہم کڑی اور نظام کے اس شعبہ کا حیات بخش حل ہے، جو موجودہ دنیا میں سب سے زیادہ اہم بنا ہوا ہے، اور جس کی اہمیت کے پیش نظر سوشلزم، کیمونزم، نیشنلزم، نازی ازم اور فیسزم آپس میں مبتلائے اورش ہیں یعنی معاشی و اقتصادی مشکلات کا ایسا حل پیش کرنا، جس سے دنیا انسانی کو عام فلاح اور امن و عافیت حاصل ہو اسی طرح اسلام کا نظریہ سلطنت اور نظام اسلامی کے ناموں سے عنقریب دوسری اہم تصنیفات ملک کے سامنے آنے والی ہیں۔

ہم کو یقین ہے کہ تمام اسلامی مساعی حضرت مولیناؒ کی روح کی شادمانی اور طمانیت کا باعث ہونگی اور بلا شبہ مولیناؒ کا یہ تبرک آغاز کار کے طور پر ہمیشہ "سعی مشکور" سمجھا جائیگا۔

خادم ملت

محمد حفظ الرحمن سیوہاروی

شوال ۱۳۶۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتَابَ تِبْیَانًا وَّ قِوَامًا وَّ عَلَّمَهُ حِکَمًا وَّ حُکْمًا وَّ نِظَامًا وَّ بَعَثَهُ اِلَی النَّاسِ دَاعِیًا بِاِذْنِهِ سِرَاجًا مُّنِیْرًا وَّ هَادِیًا وَّ اِمَامًا وَّ جَعَلَ اُمَّتَهُ خَیْرَ الْاُمَمِ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ مَنْزِلًا وَّ مَقَامًا وَّ حَضَّهُمْ عَلَی التَّاسِّیْ بِاُسْوَتِهِ وَ التَّمَسُّكِ بِسُنَّتِهِ وَ اَمَرَهُمْ بِالْاِعْتِصَامِ بِحَبْلِ اللّٰهِ الْمَتِیْنِ وَ نَهٰهُمْ مِنَ التَّفَرُّقِ فِی الدِّیْنِ وَ جَعَلَ الْاِخْتِلَافَ فِی الْفُرُوْعِ رَحْمَةً وَّ اِنْعَامًا وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ هُدَاةُ النَّاسِ وَ دُعَاتُهُمْ وَ اَئِمَّتُهُمُ الْاَوَّلِیْنَ خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِنَا وَ حَبِیْبِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ الَّذِیْ اٰدَمُ وَ مَنْ سِوَاهُ تَحْتَ لِوَائِهِ یَوْمَ الدِّیْنِ حِیْنَ یَقُوْمُ لِلشَّفَاعَةِ قِیَامًا وَ عَلٰی اٰلِهِ وَ اَصْحَابِهِ الَّذِیْنَ هُمْ اَعْلَامُ الدِّیْنِ وَ فِی الْاِقْتِدَاءِ بِهِمُ السَّعَادَةُ وَ الْکَرَامَةُ لِمَنْ اَرَادَ نَجَاةً وَّ سَلَامًا۔

تمہید

قدرت الٰہی کی ربوبیت کا یہ کس قدر شاندار کرشمہ ہے کہ جاندار چیزوں کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی ضروریات زندگی کا سامان بھی مہیا کر دیا گیا۔ اور ان جانداروں کی معیشت اور زندگی کے لئے ہر ایک کی جنسیت اور نوعیت کے مطابق زندگی کے جو اسلوب اور طریق موزوں و مناسب تھے، ان کی رہنمائی

کی گئی، اور اُن اسلوب اور طریقوں کے اصولوں کو سمجھنے کی صلاحیت و استعداد انھیں طبعی عطا کی گئی۔

انسانوں کے علاوہ صرف جانوروں اور پرندوں کے لاکھوں اور کروڑوں اقسام آج دنیا میں موجود ہیں، جن میں سے ہر ایک صنف و قسم کی زندگانی کا طور و طریقہ بالکل مختلف ہے، رزق جُدا جُدا، رہائش کے طریقے علٰحدہ علٰحدہ، کوئی گھانس پات کھاتا ہے، تو کوئی گوشت، کوئی دانا کھاتا ہے تو کوئی کنکر، کوئی زمین کے اندر بسیرا لیتا ہے تو کوئی زمین پر پشت پر، کوئی جنگل کی جھاڑیوں میں، تو کوئی درختوں کی پتلی پتلی ٹہنیوں پر۔ پروردگار عالم کی ربوبیت کا ملہ کا یہ اس قدر روشن پہلو ہے جس سے کوئی عقل سلیم رکھنے والا انکار نہیں کرسکتا اسی لئے دُنیا کے سب سے بڑے متکبر، جابر اور ظالم بادشاہ نے جس کو اپنی خدائی کا دعویٰ تھا حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے جب پوچھا کہ مَنْ رَّبُّكُمَا يَا مُوسىٰ؟ (اے موسیٰ تم دونوں (موسیٰ و ہارون) کا رب کون ہے) تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور ربانیت کے ثبوت اور معرفت کے لئے انہی حقائق کو اس طرح بیان فرمایا۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ۔ (طٰہٰ ۱۶/۲)

ہم سب کا رب اور پروردگار وہ ہے جس نے ہر شئی کو اس کی خلقت و فطرت عطا فرمائی پھر اسکی (فطرت کے مناسب حال) رہنمائی فرمائی۔

حیوانات کے عادات وخصائل اوران کی معاشرت کے اصول کی معرفت و تحقیق کا جن لوگوں کو شوق ہوا اور انھوں نے حیوانوں کی زندگی کا گہرا مطالعہ کیا، تو وہ بھی اس صداقت کا اعتراف کرنے کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچے، کہ حیوانوں کی زندگی میں صرف انفرادی اور ذاتی اصول کارفرما نہیں ہیں، بلکہ بہت سی صنفوں میں جماعتی اور اجتماعی اصول بھی رائج ہیں، وہ اپنی زندگی اپنی ہی جنس کے ایک سردار کے ماتحت گذارتے ہیں۔

ماہرین علم الحیوانات نے بعض جنگلی جانوروں کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ شہد کی مکھیوں اور چیونٹیوں کی جماعتی زندگی اور نظم و انضباط کا بہت تفصیل سے حال بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کا اپنا گھر بنانا، چھتہ بنانا، گھر سے باہر نکلنا یا چھوڑنا سب کچھ ایک سردار کے ماتحت ہوتا ہے۔ اسی کے حکم و اشارہ سے شہد مکھیاں اور چیونٹیاں کام کرتی ہیں۔

یہ تو علم الحیوانات کے ماہرین کی تحقیق ہے جو محض تفحّص اور تجربہ پر مبنی ہے لیکن ان لوگوں کے وجود سے بہت پہلے سب سے بڑی اور محفوظ کتاب آسمانی میں بھی ایسے اشارات پائے جاتے ہیں جن سے حیوانوں کی صنف میں بھی جماعتی نظام کا جاری رہنا معلوم ہوتا ہے۔

چیونٹیوں کے اندر جماعتی نظم و انتظام کا ہونا تو اس ایک آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے:-

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۔

(النمل ۱۹)

حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے جن، انسان اور پرندوں میں سے ان کی ساری فوج جمع کی گئی اور وہ (باقاعدہ) کھڑے کئے جاتے تھے یہاں تک کہ (ایک روز) یہ لشکر چیونٹیوں کے میدان میں پہنچا (یعنی جس جگہ چیونٹیاں تھیں)، تو ایک عظیم المرتبت[1] چیونٹی نے ساری چیونٹیوں سے کہا تم سب اپنے گھروں میں چلی جاؤ کیونکہ اس کا خطرہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام اور ان کی فوج (جو میدان سے گذر رہی ہے) بے خبری کے عالم میں تمھیں کچل نہ ڈالیں۔

"وادی النمل" میں ایک چیونٹی کا خطرہ محسوس کرنا، اس خطرے سے بچنے کے لئے ایک حکم دینا جس کا اس نے سوچ کر فیصلہ کر لیا تھا، اور چیونٹیوں کا اس تدبیر پر عمل کرنا اور اس کے حکم کو ماننا، یہ سب ایسے امور ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ چیونٹیوں کی زندگی ایک باقاعدہ جماعتی زندگی ہے اور یہ کہ ان کی زندگی ایک سردار، ایک امیر کی زیر ہدایت و نگرانی گذرتی ہے۔

---

[1] نَمْلَةٌ میں تنوین تنکیر تعظیم کے لئے ہے اور اس چیونٹی کی سرداری کے اظہار کے لئے یہ تعبیر اختیار کی گئی۔

اس سچی اور مکمل کتاب کے اندر صنف طیور میں بھی جماعتی زندگی کی طرف ایک اور اشارہ حسب ذیل آیت کریمہ سے ملتا ہے :-

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰفّٰتٍ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلٰوتَہٗ وَتَسْبِیْحَہٗ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِمَا یَفْعَلُوْنَ۔ (نور پ ۱۸)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ آسمان اور زمین کی ہر چیز اور طیور فضائے آسمانی میں صف باندھے ہوئے ہو اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں الغرض سب اپنی عبادت اور تسبیح کے طریقوں کو جانتے ہیں اور اللہ ان کے تمام کاموں سے واقف ہے۔

کیا تم ہاریل، مرغابیوں وغیرہ کو نہیں دیکھتے ہو کہ کس طرح ایک خاص تسلسل کے ساتھ پرے باندھ کر صف بندی کئے ہوئے اڑتی ہیں، ان کی جنس کا جو سب سے آگے ہوتا ہے، وہ اس جھنڈ کا امام ہوتا ہے جس سمت وہ جاتا ہے، اسی سمت اسکی جماعت جاتی ہے اسی حقیقت کی طرف لفظ "صٰفّٰت" سے اشارہ کیا گیا ہے۔

ربوبیت کاملہ کے ساتھ رحم و کرم اور نگرانی کے طریقوں کے اظہار و ثبوت کے لئے اسی حقیقت کی طرف ایک دوسرے مقام میں اس طرح اشارہ کیا گیا۔

اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَہُمْ صٰفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ مَا یُمْسِکُہُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ (ملک پ ۲۹)

(اللہ تعالیٰ کی قدرت و ربوبیت میں کیسے شک ہو سکتا ہے، اے لوگو! کیا نہیں دیکھتے کہ فضائے آسمانی میں ان کے سروں کے اوپر پرندے صف بندی کئے ہوئے اڑتے ہیں اور وہ کبھی پنکھوں کو پھیلے

لیتے ہیں

وہ رحمٰن ہی تو ہے جو انھیں (ان تمام حالتوں میں)
باقی رکھتا ہے (اس نے اڑان میں اس کی صلاحیت
اور استعداد دیکر اس طرح کی صف بندی اور
اڑنے کی ہدایت کی ہے) بلاشبہ وہ ہر شے کی پوری
نگرانی اور دیکھ بھال کرتا ہے۔

الغرض چیونٹیوں اور طیور تک کا ذاتی و انفرادی حیثیت کے علاوہ جماعتی اصول سے زندگی بسر کرنا، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ثبوت اُس آسمانی کتاب میں بھی موجود ہے جو تمام دنیا کی رہنمائی و ہدایت کا واحد سرچشمہ ہے اور اُس وقت سے موجود ہے جب یورپ کے ماہرین علم الحیوانات دنیا سے معدوم تھے، اور یہی کتاب رہتی دنیا تک باقی رہیگی اور جیسا کہ اوپر گذرا۔ اس کتاب نے یہ بات بھی ظاہر کردی کہ چرند و پرند کے اندر زندگی کے جو اصول شخصی یا جماعتی ہیں وہ ان کی ایجاد و اختراع کردہ نہیں ہیں، بلکہ پروردگار عالم نے ہر صنف اور قسم کو ان کی خلقت و جبلت عطا فرمائی پھر اس نے ان کے مناسب حال ہدایتیں عنایت فرمائیں۔

پس جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے جانوروں کو بھی ان کی خلقت و جبلت عطا فرمانے کے بعد انھیں زندگی کے انفرادی اور اجتماعی اصول کی ہدایت فرمائی تو وہ مخلوق جو نہ صرف چرند و پرند سے بلکہ کائنات عالم کی تمام مخلوقات میں سب سے

اشرف و افضل ہے، وہ خالق کائنات اور رب العالمین کے اس فیض عام اور بخشش وجود سے کس طرح محروم رہ سکتی ہے، کائنات ارضی و سماوی اور جو کچھ آسمان و زمین کے درمیان ہے، یہ سب تمام کی تمام حضرت انسان ہی کے لئے پیدا کی جاتی ہیں۔ خالق کائنات کا ارشاد ہے کہ:۔

الم تروا ان اللہ سخر لکم مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاہِرَۃً وَّبَاطِنَۃً وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا ھُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ۔

(لقمان ع ۳ پ ۲۱)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے ان تمام چیزوں کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں تمہارے لئے مسخر کر دیا اور تمہیں اپنی کھلی اور چھپی نعمتوں سے مالا مال کیا، پھر بھی لوگ اللہ کی باتوں میں کسی علم و ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر جھگڑتے ہیں۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَکُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْکُ فِیْہِ بِاَمْرِہٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ، اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ۔

(جاثیہ ع ۲ پ ۲۵)

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے دریا کو تمہارے لئے مسخر کر دیا تاکہ اس کے حکم سے تم اس میں کشتیاں چلاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو اور شاید تم شکر گزار ہو اور مسخر کر دیا تمہارے لئے ان تمام چیزوں کو جو آسمانوں اور زمین میں ہے اس کی طرف سے، اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو فکر کرتی ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ

وہی اللہ ہے جس نے ان تمام چیزوں کو جو زمین میں ہیں تمہارے لئے پیدا کیا، پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا، اور سات آسمان بنائے اور وہ ہر چیز سے واقف ہے۔

(بقرہ ع ۳ پ ۱)

آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب انسان ہی کے مفاد کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور چونکہ کائنات عالم سے براہ راست یا بالواسطہ فائدہ اٹھانے والے حضرت انسان ہی رہیں، گویا کائنات عالم کی تمام موجودات میں قدرت الٰہیہ کے لئے قابل توجہ و التفات انسان ہی کی ہستی سمجھی گئی۔ اسی لئے انسان کو "احسن تقویم" عطا کیا گیا۔

اور پھر اسی وجہ سے اولاد آدم علیٰ نبینا و علیہ السلام کو معزز و مکرم بنایا گیا کہ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ خالق کائنات کا ارشاد ہے۔ ان تمام امور کو سامنے رکھتے ہوئے ایک لمحہ کے لئے کیا یہ وہم بھی ہو سکتا ہے کہ خالق کائنات نے جس محترم وجود اور ہستی کے لئے اس قدر ساز و سامان کیا اس کی زندگی کے لئے کوئی دستور العمل نہیں بنایا، اور اس کی اجتماعی زندگی کے لئے قدرت کی طرف سے کوئی اصول وضع نہیں کیا گیا؟ یہ تو عقل و فراست سے بہت بعید ہے۔ بلاشبہ خالق کائنات نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے کامل و مکمل کتاب عنایت فرمائی ہے، جو جب تک دنیا باقی رہیگی،

اُس میں سب کچھ موجود ہے تاکہ اگر کوئی بلید سے بلید اور غبی سے غبی انسان
اس حقیقت سے انکار کرے تو وہ کتاب اس کا جواب دے۔

مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کتاب الٰہی کے ماننے والوں اور اُس
کی صداقت و حقانیت کا اقرار کرنے والوں کی زندگیاں ان اصولوں کے
ساتھ ایک عرصہ سے بسر نہیں ہوتی ہیں۔ جو اس کتاب الٰہی نے بنائے
ہیں۔ انفرادی اور شخصی زندگیوں میں بھی ہزاروں کوتاہیاں رات و دن ہوتی
ہیں اور اجتماعی زندگی کا تو یہ حال ہے کہ بہتوں کے دماغوں سے اس کا
تصور بھی آج غائب ہے اگر کوئی خدا کا بندہ کسی گوشہ سے کتاب الٰہی
کے اس بصیرت افروز اور حیات بخش سبق کی طرف توجہ دلاتا ہے تو
کوئی سچائی کا اعتراف تو کرتا ہے مگر عمل کی طرف جوش اور ولولہ کے
ساتھ نہیں بڑھتا، کوئی کہتا ہے کہ ہاں بات تو سچ ہے مگر ہندوستان
جیسے ملک میں انسانوں کی جماعتی زندگی کے لئے وہ اصول نہیں ہیں، پھر
کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ خیال رکھتے ہیں کہ جماعتی زندگی کو دین و مذہب سے
کیا تعلق یہ تو انسانوں کی اپنے پسند کی بات ہے۔ جماعتی زندگی کے لئے
جو اصول چاہے پسند کرے۔ ع

نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

یہ خیالات تو اُن بزرگوں کے ہیں جو دین حق کے فرزند اور اسلام

کے سپوت ہیں جن کو کم از کم دین اور اسلام سے انکار نہیں ہے لیکن عملی طور پر بہت حد تک اسلام کی آغوش سے باہر ہو چکے ہیں۔

ان حضرات کے ان خیالاتِ فاسدہ کا اصلی سبب یہ ہے کہ آخری گروہ دین حق کی حقیقت سے اچھی طرح آگاہ نہیں ہے اور پہلے گروہ میں بھی ایسے لوگ ہیں جو دین سے تو واقف ہیں لیکن دین کے اجتماعیات کے اصول اور قاعدہ سے پورے طور پر واقف نہیں اور اگر کچھ لوگ واقف ہیں تو اُن کے اندر کچھ دوسری کمزوریاں ہیں جو انھیں اعلانِ حق یا عمل پر آمادہ نہیں ہونے دیتیں۔

اور جب دین حق کے ماننے والوں کا یہ حال ہے تو وہ لوگ جو دین حق اور دین اسلام سے علانیہ منحرف ہیں اُن سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ انسانی زندگی کے اس اصول کو وہ پسند کریں گے جو دین حق نے بنایا ہے۔ حالانکہ دین حق نے انسانوں کی جماعتی زندگی کے لئے جو اصول وضع کئے ہیں اور جو صرف حیاتِ دنیا سے متعلق ہیں بلا شبہہ وہ غیر مسلموں کے لئے بھی اسی طرح مفید ہیں جس طرح مسلمانوں کے لئے اور آخر غیر مسلم بھی تو اولادِ آدم ہیں اسلام جماعتی زندگی میں انھیں کس طرح نظرانداز کر سکتا ہے، یقیناً غیر مسلموں کی زندگی بھی دنیا میں عزت اور چین سے اس نظامِ انسانی کے ماتحت گذر سکتی ہے جب اللہ تعالیٰ کے بنائے

ہوئے اصول کے مطابق جماعتی نظام انسانی قائم ہو۔

بہرحال اسلامی جماعتی نظام کو اگر غیر مسلم اختیار کرنے پر آمادہ نہ ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ انہیں دین ہی کا اعتراف نہیں ہے جس پر اصول زندگی کا دارومدار ہے۔ بلاشبہ تعجب اُن سے ہے جو دین حق کے ماننے والے ہیں مگر مغربی تعلیم و تربیت کا اُن کے دل ودماغ پر اس قدر تسلط ہوگیا ہے کہ وہ مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ کو مغربیت ہی کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ اور نہایت خوش عقیدگی سے یہ کہتے ہیں کہ جماعتی زندگی کا جو نظام دنیا کے تجربات کی روشنی میں فلسفہ حیات اور اجتماعیات پر غور کرنے کے بعد مغرب پیش کرتا ہے وہی نظام اجتماعی بہتر و درست ہے اور انسانوں کے لئے مفید ہے اور جب مفید ہے تو اسلام کسی مفید چیز کو کس طرح روک سکتا ہے حالانکہ ان کے یہ خیالات ہی تمام تر غلط اور واقفیت سے دور ہیں۔ مگر یہ حضرات بھی انسانوں کے لئے ایک جماعتی نظام کو ضروری سمجھتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جو نظام صرف عقلائے دہر عقل و بصیرت سے تجویز کریں وہی انسانوں کے لئے مفید اور قابلِ عمل ہے اہلِ اسلام یہ سمجھتے ہیں کہ اس دین میں جو اصول وضع کیا گیا ہے وہ اصلح و بہتر ہے بغیر اس کے دنیا میں امن و امان نہیں قائم ہو سکتا ہے۔

اس لئے ضرورت ہے کہ اسلام کے جماعتی اصولوں اور اس کے

مدارک و ماخذ اور دلائل کا ذکر کرنے سے پہلے عقلائے دہر کے خیالات و نظریات کے مطابق جماعتی نظام کے اصولوں اور طریقوں پر غور کر لیا جائے کیونکہ عقلائے دہر تو دین سے علیحدہ ہو کر محض مادّی دنیا اور مادی حیات کے مفاد و مضار کو سامنے رکھکر اصول حیات اختیار کرتے ہیں اور اہلِ مذہب مادّی حیات کے ساتھ ساتھ روحانی حیات اور روحانی زندگی کے نفع و نقصان کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ اس فرقِ عظیم کے باوجود دلائل اور واقعات کی روشنی میں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ نظامِ اجتماعی ناکام ہے جو عقلائے دہر انسانوں کے لیئے پیش کرتے ہیں اور اس لئے ناکام ہے کہ اس سے وہ مادی ضرورتیں اور حاجتیں بھی نہیں پوری ہو سکتی ہیں جن کے لئے عقلائے دہر اپنا جماعتی نظام تجویز کرتے ہیں تو اس کے بعد مذہبی نظام کی حقانیت و صداقت کو سمجھنا آسان ہو جائے گا اور اس سے نہ صرف یہ کہ مذہب اسلام کی صداقت ظاہر ہو گی بلکہ دین حق کی حقیقت اور اُس کی ضرورت بھی ظاہر ہو گی اور جب دین کی حقیقت اور حقانیت انسانوں پر ظاہر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کی کھڑکیوں کو قبول حق کے لئے کھولدے تو یہ اُس کے فضل و کرم سے کوئی بعید نہیں ہے۔ واللہ یقول الحق و یھدی السبیل۔

پہلا باب

جماعتی نظام کی ضرورت

عقلائے دہر نے جماعتی نظام کے لئے جو اصول آج تک وضع کئے ہیں اور جس میں ہمیشہ ردّ و بدل کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے اُن کی اصولی صورتوں کی صحت، عدمِ صحت یا افادیت و مضرّت پر بحث کرنے سے پہلے اس چیز کو سمجھ لینا چاہئے کہ آخر انسانوں کے لئے اس مادّی دنیا میں کسی جماعتی نظام کی ضرورت ہی کیا ہے۔ انسان کیوں مجبور ہے کہ وہ زندگی بسر کرنے کے لئے کوئی مستحکم نظم و انتظام کرے کوئی جماعتی نظام بنائے۔ اس ضرورت کے سمجھنے کے لئے جب انسانی زندگی کی مادّی حاجات و ضروریات پر غور کیا جاتا ہے تو اصولی طور پر چار اہم چیزیں انسانی زندگی کے لئے اصول قرار پاتی ہیں اور ان چار چیزوں کی حفاظت انسانی زندگی کے لئے ضروری ٹھہرتی ہے جس کو آئندہ مضمون میں بیان کیا جائیگا۔

پہلی فصل

مالی حاجت اور اس کا تحفظ

انسان کی خلقت و فطرت میں جتنی قوتیں وصلاحیتیں قدرت کی طرف سے ودیعت کی گئی ہیں یا یوں کہو کہ اس میں موجود ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اُس کی انفرادی وشخصی زندگی کی ضروریات اور حاجات ابتدائے آفرینش سے برابر بڑھتی جاتی ہیں اور اُس کے حوصلے اور ولولے روز افزوں ہیں۔

اولادِ آدم کو جو رزق چاہیئے تو وہ اس قسم کا ہو جو اُس کی خلقت وطبیعت کے مناسب ہو، مثلاً غلہ، ترکاری، گوشت، انڈا وغیرہ اُسے ملنا چاہیئے کیونکہ کوئی انسان بغیر غذا کے برابر زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔ اگر ترکاری اور گوشت نہیں تو کم از کم کوئی غلہ اور اناج تو اُس کی زندگی کی بقا کے لئے ضروری چاہیئے وہ چوپایہ جانوروں کی طرح گھاس پات پر زندگی نہیں گذار سکتا اور نہ پرندوں کی طرح کیڑے کوڑے وغیرہ کھا کر وہ زندہ رہ سکتا ہے۔ پھر کھانے کے ساتھ اُسے پانی بھی چاہیئے۔ اسی طرح انسان کو بدن ڈھانکنے کے لئے کپڑوں کی ضرورت بھی ہے۔ بارش اور دھوپ کی تکلیفوں سے بچنے کے لئے کم از کم کوئی جھوپڑی چاہیئے۔

اگر ایک مغربی تعلیم یافتہ حوصلہ مند انسان کی شخصی ضروریات زندگی کا
خیال کرو تو پھر اُس کے کھانے اور پینے کی ضرورتوں اور لوازمات میں
حیرت انگیز اضافہ ہو جائے گا، رہنے سہنے کے لئے جھونپڑی اور خام مکان
کافی نہ ہوں گے بلکہ عالیشان محلوں اور کوٹھیوں کی ضرورت ہو گی۔ اُن کی
رہائش اور آرام وراحت کے لئے قسم قسم کے سازوسامان کی ضرورت ہو گی
جس کے بغیر ایک مغربی تعلیم یافتہ کی زندگی دوبھر ہو جاتی ہے۔

الغرض ہر انسان فرداً فرداً محض اپنی ذاتی اور شخصی زندگی گذارنے کے
لئے بہت سی چیزوں کا محتاج ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ہر ہر انسان
فرداً فرداً اپنی زندگی کی تمام ضروریات و لوازمات کو خود حاصل کرے تو کیا یہ
ممکن بھی ہے؟۔

اس سوال کا جواب ہر عقل سلیم صرف ایک ہی دے سکتی ہے کہ نہیں
کیونکہ یہ امر ناممکن ہے کہ ایک انسان اپنے کھانے کا غلّہ خود پیدا کرے پھر
کھیت سے غلّہ پیدا کرنے کے لئے کھیتی کے تمام آلات خود ہی بنائے اور غلّہ پیدا
کر کے وہ تن تنہا کھیت سے غلّہ کاٹے صاف کرے اور کھانے کے قابل
بنائے اور پھر وہی شخص تن تنہا کپاس بوئے، روئی صاف کرے، سوت کاتے
اور پھر اپنا کپڑا بقدر ضرورت خود ہی بنے اور اُسے ستر پوشی اور جسم چھپانے
کے قابل بنائے اس طرح مکان کے بنانے اور رہنے سہنے کے

لوازمات کی ایک ایک چیز وہ خود بنائے ان تمام کاموں کی کثرت اور ان کاموں کے انجام پانے کے اوقات وزمانوں کا اندازہ کرو تو معلوم ہوگا کہ ایک شخص چوبیس گھنٹے بھی کام کرے جب بھی صرف یہی ضروریات زندگی حاصل کرنے پر قادر نہیں ہے اگر کوئی کرنا بھی چاہے تو نہ صرف وہ ناکام رہے گا بلکہ ناکامی کے ساتھ اُس کی زندگی بھی ختم ہو جائیگی گویا ایک شخص کی شخصی زندگی اُس کو مجبور کرتی ہے کہ ضروریات زندگی کی چیزوں میں سے جن پر وہ خود قادر نہیں ہے اور از خود مہیا نہیں کرسکتا ہے وہ دوسرے اشخاص اور افراد سے حاصل کرے خواہ تبادلہ اشیا اشیا سے ہو یا اشیا کا سکوں سے یا محنت و مشقت کا محنت و مشقت سے الغرض انسان کے محض ذاتی مفاد اور شخصی زندگی کی ضرورت نے اور ماکولات و مشروبات، ملبوسات وسکونتی مکانوں کی حاجت نے انسانی مدنیت اور باہمی تعاون کو ناگریز بنا دیا کہ انسانوں کے مختلف طبقات ہوں جو تقسیم اعمال کے اصول سے کام کریں۔ کوئی زراعت کرے کوئی زراعت کے لئے ضروری آلات مہیا کرے کوئی پارچہ بافی کی صنعت اختیار کرے کوئی معماری اور مزدوری کا پیشہ اختیار کرے اور ان میں آپس میں اشیا، کا تبادلہ ہو ایک دوسرے کے لئے محنت کرے اور محنت کا معاوضہ اور اُجرت مقرر ہو۔ الغرض انسان کی محض ذاتی و شخصی زندگی کے پہلو سے یعنی اکل و شرب، سکونت و راحت کی حاجت نے اموال بصورت اشیا، اور نقود کی ضرورت و تحفظ نیز معاملات بیع و فروخت و استجار کے اصول

وقوانین کے وضع کرنیکی ضرورت لاحق ہوگئی۔ الغرض تحفظ اموال اور معاملات باہمی کے لئے اصول وقوانین کا ہونا تو لازم ولابُد ہو گیا کیونکہ بغیر اس کے نہ اشیار کا تبادلہ ہوسکتا ہے اور نہ محنت ومشقت کا معاوضہ اور جب یہ سب نہ ہوں گے تو پھر انسان کی شخصی زندگی کا باقی رہنا بھی محال ہو جائیگا۔

ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ انسان کی شخصی اور ذاتی زندگی کے ایک خاص پہلو کی حاجتوں نے اموال کی تحصیل وتحفظ اور اُن کے لئے وضع قوانین اور اس کے نفاذ وتنفیذ کی ضرورت لاحق ہوگی کیونکہ جب وضع قوانین اور اس کے نفاذ کا کوئی نظم مستحکم نہ ہوگا اموال کی تحصیل وبقا کی کوئی صورت نہیں ہو گی جو انسانی زندگی کے لئے ایک ناگریز اور اہم شے ہے جیسا کہ اوپر کے صفحات سے واضح ہے۔

دوسری فصل

تحفظ نسل

جس طرح ایک انسان کی زندگی کے ایک پہلو یعنی محض جسم وجان کی بقا و حیات کی ضرورت نے اموال کی تحصیل وتحفظ اور اس کے لئے وضع قوانین اور اس کا نظم وانتظام لازم بنا دیا ہے اسی طرح بنی نوع انسان میں عورت و مرد کا وجود اور ان دونوں صنفوں میں فطری قوت شہوانیہ کا ہونا اور ان

دونوں کے اختلاط سے اُن کے ہم شکل و صورت بچوں کا پیدا ہونا اور بچوں کو انہیں اپنا قائم مقام سمجھنا اور اُس کے ذریعہ اپنی نسل کی بقا کی خواہش رکھنا اور نسلی و نسبی تعلقات کی بنا پر باہمی تناصر و تعاون کی اُمید قائم کرنا یہ سب انسانی زندگی کے خلقی و فطری لوازمات ہیں اور جن سے انسانی زندگی کا ایک دوسرا اہم مقصد انسانی مدنیت نے پیدا کر دیا اور وہ بقائے نسل ہے اور اسی مقصد کی تحصیل وصول نے عورت و مرد کے ازدواجی تعلقات کے لئے خاص قوانین کی وضع اور اُن کے نفاذ و تنفیذ کی ضرورت لاحق ہوگئی کہ جن کی پابندی سے یہ مقصد حاصل ہو اور وضع قوانین اور ان کا نفاذ خاص نظم و انتظام کے بغیر ناممکن ہے اس لئے ان کا نظم و انتظام کرنا بھی ناگزیر ہے

تیسری فصل

حفظ و ناموس و عزت

انسانی زندگی کی ضرورتوں اور خود حضرت انسان کی حوصلہ مندیوں نے ایک طرف دنیادی کاروبار کے پھیلاؤ کو چاہا تو دوسری طرف انسانوں کے مختلف الخیال مختلف المزاج انسانوں سے تعلقات و میل جول کو چاہے وہ تعلقات اقتصادی ضروریات سے وابستہ ہوں یا ازدواجی رشتہ یا نسل و

نسب سے۔

اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ دنیا میں مختلف مزاج وطبیعت کے لوگ ہیں۔ کوئی تُند مزاج ہے، کوئی نرم ہے، کوئی غصّہ ور ہے، کوئی بردبار اور تند مزاجوں غصّہ وروں اور شریرالنفس انسانوں سے انسانوں کی عزت وناموس خطرے میں ہے۔ بہت سے انسان ایسے بدطینت اور شریرالنفس ہیں جو صرف مردوں ہی کی نہیں بلکہ عورتوں کی عزت وناموس پر بھی حملہ کرنے میں نہیں چوکتے

اس لئے انسانی زندگی کے لئے یہ بھی ضروری ولازم ہے کہ بنی نوع انسانوں کی عزت وناموس کی حفاظت کیجائے۔ اسلئے انسان کی مادّی زندگی کا ایک مقصد حفاظت ناموس وعزت بھی ہوا اور اس لئے ضروری ہے کہ اس کے لئے اصول وقوانین وضع کئے جائیں اور اُن کے نفاذ کا بھی نظم قائم ہو ورنہ انسانی زندگی صحیح طور پر باقی نہیں رہے گی۔

چوتھی فصل

حفظ جان

دنیا کی مادّی زندگی کا لحاظ کرتے ہوئے عقلائے دہر کی عقل وبصیرت جہاں یہ رہنمائی کرتی ہے کہ انسان کے تین اہم مقاصد۔ مال نسل ونسب

اور عزت و ناموس کی حفاظت کا قانون اور اس کے نفاذ کا نظم ضروری ہے وہاں اس مادّی زندگی اور انسانی زندگی کی بقا کے لئے ایک اہم مقصد سب سے اوّل یہ ہے کہ انسانوں کی جانوں کی حفاظت کیجائے۔ صرف درندے جانوروں اور مہلک بیماریوں ہی سے نہیں بلکہ خود ان ظالم انسانوں سے جو اپنے باطل اور ناجائز اغراض کے لئے انسانوں کا خون بہا سکتے ہیں۔ اس لئے حفاظت جان کا بھی قانون ہونا چاہئے اور اس کے نفاذ کے لئے نظم بھی۔

کیونکہ اگر انسانی جان کی حفاظت اور خون ناحق کے روکنے کا بندوبست نہ ہوا تو انسانی زندگی ہر وقت خطرات سے پُر ہوگی اور نظام انسان بالکل تباہ ہو جائے گا۔

پس حیات دنیا کی مادّی زندگی کے نقطہ نظر سے اصولی طور پر مذکورالصدر چار اہم مقاصد ہیں جن کے لئے وضع قوانین اور قوانین کے نفاذ کا نظم محض عقل و بصیرت کی روشنی میں ضروری و لابُدّ ہے ورنہ نظامِ انسانی درہم برہم اور تہ و بالا ہو جائے گا اور اگر بغیر ان چیزوں کی حفاظت کا مستحکم نظم کئے ہوئے بنی نوع انسان زندگی بسر کرنے کی خواہش ظاہر کرے تو انسانیت اور آدمیت کی زندگی تو نہیں ہو سکتی ہے ممکن ہے بخرابیِ بسیار بالکل بہائم صفت ہو کر بلکہ بہائم سے بدتر گندی اور پرِ خطر زندگی کچھ دنوں تک بسر ہو سکے انہیں حقائق و دلائل کی روشنی میں عقلائے دہر کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ انسانوں کی

اجتماعی زندگی کے بقا و تحفظ کا خاص نظم ہونا چاہیئے۔ اب وہ نظم کس اصول سے ہو اور کیسا ہو بہت زیادہ غور و فکر کا محتاج ہے۔

پانچویں فصل

جماعتی نظام اور انسانی حکومت

عقلائے دہر اپنی فہم و بصیرت سے بنی نوع انسان کی مادی زندگی کے مقاصد کو پورا کرنے اور اس راہ کی تمام رکاوٹوں کو دور کرنے کی تدبیرں و طریقوں کو سوچتے ہیں تو وہ سب سے پہلے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہر انسان کی تمام فطری آزادیوں اور تمام مہتم بالشان مقاصد زندگی کے احترام کے باوجود ان کی عملی زندگی میں آزادی کی حدود کا متعین ہونا ناگزیر ہے کیونکہ اگر حدود متعین نہ ہوئے تو ایک انسان دوسرے انسان کے مقاصد زندگی میں مداخلت کر کے انسانی زندگی کو تباہ و برباد کر دے گا اور انسانوں کو عملی زندگی کی حد بندی کی ضرورت نے ان عقلا کے سامنے ایک بہت بڑا وسیع میدان غور و فکر اور عمل کا پیدا کر دیا کہ انسانوں کے اعمال کی وسعت اور حد بندی کے لئے اور اسی کے ساتھ اُن تمام چیزوں کے متعلق بھی اصول و ضوابط اور قوانین ہونے چاہیئں جن کے ساتھ انسانی اعمال کو

انسانی تہ و بالا ہوچکی، اس لئے اب دوبارہ اس کا اعادہ نہیں ہونا چاہئے
ان عقلا کے خیال میں شخصی حکومت کا اصل نقص یہ تھا کہ قانون کی وضع اور
نفاذ میں عام انسانوں کو کوئی دخل نہیں ہوتا اور یہی فساد کی جڑ ہے۔

جمہوری حکومت

اس لئے دنیا کے واقعات اور تجربات کی روشنی میں عقلائے دہر کا عموماً یہی فیصلہ ہے کہ انسانی
جماعتی نظام کی ضرورت جن مصالح و مقاصد پر مبنی ہے وہ ضرورت جمہوری
حکومت سے پوری ہوسکتی ہے اور اس طرز حکومت کی بھی بہت سی صورتیں
و شکلیں تھوڑے تھوڑے فرق و امتیاز سے تجویز کیجارہی ہیں اور دنیا میں
اس کا تجربہ بھی ہو رہا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا جمہوری حکومتوں نے بنی نوع انسان کی
ضرورتوں کو پورا کیا اور کر رہی ہیں؟ اور اولاد آدم کو چین و سکون کی زندگی جمہوری
حکومت کے دور میں بھی کہیں میسر ہے؟

ہندوستان نہ سہی فرانس، انگلستان، امریکہ، روس، وغیرہ وغیرہ
آخر دنیا کی کسی جمہوری حکومت میں انسانوں کے مالوں پر ظالمانہ
و غاصبانہ قبضہ و تصرف آج ناپید ہے؟ اور ان جمہوری ممالک میں
وہ کون سا ملک ہے جہاں سے انسانوں کی ناحق خوں ریزی
بند ہوگئی ہے اور وہاں کی آبادیوں اور صحرا میں
یہ صدا بلند ہو رہی ہو کہ انسان کے ایک قطرہ خون کی عزت و حرمت دنیا

کی تمام چیزوں اور نعمتوں سے بالاتر ہے؟ کیا ان جمہوری حکومتوں کے زیرنگیں ملک میں کوئی گوشہ بھی ایسا ہے جہاں انسانی عزت و ناموس کی کوئی قدر و قیمت سمجھی جاتی ہو؟ اور عصمت دری اور آبروریزی کے تمام طریقے مسدود ہو گئے ہوں؟ روزمرہ کے واقعات اور مشاہدات سے ان سوالوں کا جواب ایک ہے اور صرف ایک، کہ کوئی بات بھی نہیں ہوئی! جب ایسا ہے تو بات صاف ہو گئی کہ تمام جمہوری حکومتیں بھی بنیادی مقاصد کے پورا کرنے میں ناکام ہیں، اور ہمیشہ ناکام رہینگی عقلائے دہر خود حیران و پریشان ہیں کہ دورِ ترقی میں جبکہ انسان عقاب بن کر آسمان پر اُڑ رہا ہے، اور سمندروں کے سینوں کو ہر وقت چیرتا ہے، اس کی تہ میں گھنٹوں گھڑیالوں کی طرح بیٹھتا ہے، بجلی کی روشنی سے تمام رات کی تاریکیاں دور ہو گئی ہیں، اور بھاپ و بجلی کی طاقت سے تمام دنیا ایک گاؤں اور قصبہ بلکہ ایک چھوٹی کوٹھی یا گھر ہو گئی ہے کہ ہر وقت اور ہر جگہ کی باتیں معلوم کی جا سکتی ہیں اور سنی جا سکتی ہیں پھر بھی انسانی زندگی چین سے نہیں گذرتی ہے، اور انسانی زندگی جس طرح شخصی حکومتوں میں تباہ و برباد ہوتی رہی، وہ آج بھی تباہ و برباد ہو رہی ہے، اور اس حیرانی کے عالم میں حکومتوں کے لئے نئے نئے خاکے سوچے جاتے ہیں اور تجربہ کے بعد وہ بھی ناکام ہوتے ہیں اور ہوں گے،

کیونکہ اگرچہ عقلاً یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت انسانی کی جمہوریت کاملہ جب
برسرکار آئے گی تو تمام مقاصد پورے ہوں گے، لیکن حقیقی جمہوریت کاملہ
کا کبھی نہ ظہور ہوا ہے، اور نہ وہ کبھی برسرکار آئے گی، اس لئے جمہوریت کاملہ
جس سے تمام مقاصد انسانی کے پورے ہونے کی توقع رکھی جاتی ہے،
اس کی صورت تو یہ ہے کہ تمام بنی نوع انسان یا کم از کم ایک ملک کے
انسانوں کے لئے جو قانون بنایا جائے اُس قانون کے بننے اور بنانے
میں رائے وعقل کو دخل ہو اور سب کے اتفاق رائے سے وہ قانون
منظور ہو، اس طرح پر جو قانون وضع ہوگا، اس قانون کی سچائی اور
افادیت میں نہ کوئی شک ہوگا، اور نہ واضعین قانون پر بے اعتمادی کا
کوئی موقع ہوگا۔ اس لئے کہ اس صورت میں ہر فرد، واضع قانون ہوگا۔
کیونکہ قانون اتفاق رائے سے منظور کیا گیا ہے۔ اس صورت میں بے اعتمادی
کا تو کوئی موقع بھی نہیں ہے کہ کسی نے محض اپنی خودغرضیوں کو پورا کرنے
کے لئے قانون بنایا، الغرض قانون کے احترام اور وقعت کی یہ صورت
پیدا ہوگی تو قانون کی خلاف ورزی بند ہوجائے گی اور اس وقت انسانی
دنیا چین وآرام سے زندگی بسر کرے گی، لیکن تم جانتے ہو کہ جمہوریت کی
یہ خیالی تصویر شاید کاغذ ہی پر کھینچی جا سکتی ہے مگر انسانوں کی
عملی زندگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس قسم کی جمہوریت بالکل محال ہے،

کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایک چھوٹے سے گاؤں کے تمام بالغ آدمیوں کو جمع کیا جائے
اور ان سے کہا جائے کہ گاؤں کی صفائی کے لئے ایسا قانون بنایا جائے
جس کی سب لوگ پابندی کریں تاکہ گاؤں میں گندگی نہ ہو، اور جو لوگ اس کی
خلاف ورزی کریں تو ان کی کوئی سزا کی جائے۔ تو دنیا جانتی ہے کہ اتفاق
رائے سے قانون کا ایک دفعہ بھی نہیں بنے گا، ہر شخص اپنے اپنے ماحول
اور قانون کے اثرات کو دیکھ کر غور کرتا ہے، اور اپنے اوپر کم سے کم پابندی
عائد کرنا چاہتا ہے، طبیعتوں کا یہی چور ہے، جس کی بنا پر حقیقۃً اتفاق
رائے عادۃً ناممکن ہے۔ جب ایک گاؤں کی آبادی کا یہ حال ہے تو ایک
ملک کے تمام بالغ لوگوں کا جمع ہونا اور اتفاق رائے سے کسی قانون کا
بنانا تو بہت ہی محال ہے،

اور اگر قانون کی منظوری کے لئے محض اکثریت کی رائے کو تسلیم
کر لیا جائے جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے تو سب سے پہلے انسانی اصول سے
اس ضابطہ کے طے ہونے کی ضرورت ہے، اور اس ضابطہ کے بننے میں
بھی اختلاف رائے ہونا ممکن ہے لیکن فرض کر لو کہ اس ضابطہ کو اتفاق رائے
سے طے کر لیا جائے اور اس کے ماتحت مقاصد زندگی کے تحفظ کے لئے
قوانین بنائے جائیں تو ان قوانین کی وضع میں اختلاف آراء کی کثرت سے کوئی انسان
انکار ہی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ہر انسان کے مطمح نظر مختلف ہوتے ہیں یا جو ایک طبعی امر ہے

اور یقیناً انسان کی فطری آزادی کو مقید اور محدود کرنے والے قوانین عموماً
کثرت آراء ہی سے طے پا سکتے ہیں، اس صورت میں ہر قانون کے متعلق قلیت
کی طرف سے اول یوم ہی سے یہ اعلان ہوگا کہ یہ قانون تمام انسانوں
کے لئے یکساں یقیناً نہیں ہے، اور جب قانون کا یہ حال ہوگا تو وہ قابل
اعتماد اور قابل احترام نہیں ہو سکتا اور جب وہ قابل احترام نہیں ہوا تو
اس کی پامالی بھی ضروری ہے، اس مفسدۂ عظیم کے علاوہ اگر جمہوریت
کی تشکیل اور قانون ساز مجالس کی ہیئت ترکیبیہ پر غور کرو تو ظاہر ہوگا
کہ تمام کاروبار صرف چند انسانوں کی خود ساختہ اور من مانی بات ہے
اور کچھ بھی نہیں۔

مثلاً فرض کرو کہ جمہوری دستور حکومت کی تشکیل کے لئے باشندگان
ملک کی ایک نمائندہ اسمبلی بلائی جائے جس کے انتخاب میں ہر بالغ کو رائے
دینے کا حق ہو، تو اس اسمبلی کے بلانے کے لئے بھی کچھ قواعد وضوابط ہونگے،
رائے دہندوں کے لئے بھی، اور امیدواروں کے لئے بھی، کیونکہ جب تک
یہ قواعد نہ ہونگے، اسمبلی کیونکر بلائی جائیگی، اب اگر ان قواعد وضوابط کا
مسودہ صرف چند اشخاص کا بنایا ہوا ہے اور اس کی پابندی تمام باشندگان
ملک پر بغیر ان کے مشورہ کے لازم کر دی گئی ہے، تو جمہوریت کی
بنیادی اینٹ ہی غلط ہو گئی، اور جمہوریت کی تعمیر کا ابتدائی پتھر چند افراد

کی استبدادیت اور خودرائی پر نظر آئیگا اور ابتدا ہی سے دستور جمہوریت کی عمارت منہدم ہوتی نظر آئے گی۔

پھر یہ دیکھو کہ نمایندہ اسمبلی خواہ کسی قدر وسیع ہو، فی لاکھ آبادی پر دو سو نمایندہ مقرر کر لو، حلقہ انتخاب اور طریقۂ انتخاب جو کچھ بنا لو ظاہر ہے کہ اس قسم کے قواعد صرف چند ہی افراد کے بنائے ہوے ہونگے۔ جن کی تجویز وتسوید میں جمہور کو کوئی دخل نہیں ہے، اور چند افراد کی کارروائی کو انقطاع تسلسل کے لئے اگر جائز تسلیم بھی کر لو، تو کیا جو نمایندے منتخب ہوکر اسمبلی میں پہنچ گئے، واقعتہً وہ جمہور کے نمایندہ کہے جانے کے مستحق ہو سکتے ہیں؟ غور کروگے تو اس کا جواب بھی تم یہی دوگے کہ نہیں، وجہ صاف ہے مثلاً فرض کرو کہ ایک حلقہ سے صرف ایک آدمی کھڑا ہوا، صرف دو شخصوں نے اس کا نام پیش کیا، تم کہتے ہو کہ اس حلقہ کے جمہور کا نمایندہ ہے۔ کیا حقیقتہً یہ کہنا صحیح ہے؟ ہرگز نہیں! کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرا شخص اس لئے کھڑا نہیں ہوا ہو کہ اس کے پاس اتنے روپے نہیں تھے، جتنے روپے کی اس انتخاب میں ضرورت تھی، اگر وہ امیدوار ہوتا تو تمام رائے دینے والے اسی کو منتخب کرتے، اس لئے یہ فرض کر لینا کہ جو بلامقابلہ منتخب ہوگیا، وہ اس حلقہ کا حقیقتہً معتمد علیہ ہے، کسی منطق وفلسفہ سے درست نہیں ہے، دوم یہ کہ اگر اس حلقہ میں، بلامقابلہ منتخب ہونے والے امیدوار کے مخالف رائیں معلوم

کرلی جائیں کہ کتنے لوگ اس شخص کو پسند نہیں کرتے ہیں، اور اس صورت میں امیدوار کے موافق زیادہ رائے ہوتی تو بلاشبہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ کامیاب امیدوار اس حلقہ کی اکثریت کا نمایندہ ہے، اگرچہ تمام جمہور کا نمایندہ اس وقت بھی نہیں ہوگا،

مگر معلوم ہے کہ آجتک کسی جمہوریت نے اس نقص کے دور کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ آیندہ کرے گی۔ اسی طرح جس حلقے سے تین چار امیدوار کھڑے ہوتے ہیں، ان امیدواروں میں سے جس شخص کو سب سے زیادہ رائیں ملتی ہیں۔ تم اس کو اس حلقہ کا جمہوری نمایندہ سمجھتے ہو؛ اور تمھارے وضعی قوانین کے ماتحت اسمبلی میں اس کی رائے گویا اس حلقہ کے تمام لوگوں کی رائے سمجھی جاتی ہے، مگر کیا عقل وبصیرت کے نزدیک یہ نتائج اور ثمرات کسی طرح درست ہیں؟ ہرگز نہیں اس لیے کہ تمھارے اس جمہوری اصول کی بنا پر ایک حلقہ انتخاب سے اگر ایک شخص کو ایک چوتھائی سے کچھ زیادہ ووٹ مل جائیں اور تقریباً تین چوتھائی رائے دینے والوں نے اس کے خلاف رائے دی ہو، جب بھی وہ جمہوری اسمبلی کا نمایندہ منتخب ہو جائے گا، اور ایسے شخص کو بھی تم اس حلقہ کا نمایندہ کہتے ہو، باوجودیکہ اکثریت نے اس کے مخالف رائے دی ہے، اور اس لیے اس کو نمایندہ نہ ہونا چاہیئے تھا۔ مثلاً ایک حلقہ میں چار ہزار رائے دہندے بالغ

ہیں، اور چار اُمیدوار کھڑے ہوئے، تین کو ۹۹۹ رائیں ملیں، اور ایک کو ۱۰۰۳۔ تم اس آخری شخص کو اس حلقہ کی جمہوریت کا نمایندہ کہو گے، اور اس شخص کی رائے کو پورے حلقہ کی رائے قرار دو گے، مگر کیا سچ مچ اس حلقہ کے رائے دینے والوں کی اکثریت کا اعتماد اسکو حاصل ہو گیا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ تمام لوگ جنھوں نے دوسرے اُمیدواروں کے حق میں اپنی رائے استعمال کی ہے، اُن کی رائے اس کامیاب اُمیدوار کے خلاف ہے۔ اور جب خلاف ہے، تو یہ کونسی عقل کی بات ہوئی کہ جس شخص کے خلاف ۲۹۹۷ رائیں ہوں اور صرف ۱۰۰۳ رائیں موافق ہوں تو تم اس کو نمایندہ تسلیم کر لیتے ہو، اگر تم ایسا قاعدہ بناتے کہ جتنی رائیں اس کے مخالفین کو ملی ہیں، ان کو یکجا کرنے کے بعد بھی اس کے موافق رائیں زیادہ آئیں تو خیر اُس وقت نمایندہ بنانا تمھارے اُصول پر جائز ہو سکتا تھا کہ اکثریت کی رائے اس کے حق میں ہے۔ پھر بھی اُس وقت جمہور رائے دہندوں کا نمایندہ کہنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کل رائے دہندگان اس کے موافق نہیں ہیں اور جب موافق نہیں ہیں تو اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ مخالفین کو اس پر اعتماد نہیں ہے، اسی طرح ایک دوسرے پہلو سے دیکھو کہ رائے دہندگان پر ہے

جتنے لوگ اپنی رائے امیدواروں کے موافق یا مخالف استعمال کرتے ہیں، اس استعمال شدہ رائے کو تم فیصلہ کن قرار دیتے ہو، اور اس کی اکثریت کے مطابق ایک شخص کو نمائندہ تسلیم کرتے ہو، حالانکہ اس حلقہ میں بہت سے رائے دینے والے ایسے ہو سکتے ہیں، اور ہوتے ہیں، جو کسی امیدوار کو رائے نہیں دیتے کہ ان کے نزدیک ہر امیدوار ناقابل اعتماد ہے، اس لئے عقل اور دلائل کی روشنی میں انسانی اصول کے ماتحت کسی ایسی جمہوریت کی تشکیل جس پر تمام انسانوں کو اعتماد و بھروسہ ہو، ایک امر موہوم ہے، جس کا ظہور ناممکن ہے، اور اگر اس قسم کی ناقص اور غیر جمہوری اسمبلی کے دستور، اور اس دستور کے ماتحت مجالس قانون ساز کو جائز بھی تسلیم کر لو، تو ان واضعین قانون پر تمام باشندگان ملک یا بنی نوع انسان کو کس طرح کامل اعتماد ہو سکتا ہے، جبکہ ان میں مختلف طبقات کے لوگ موجود ہوں اور ہر طبقہ کو اپنے طبقے کے مخصوص مفاد کے محفوظ رکھنے کا فطری جذبہ بھی دامنگیر ہو، جو ایک طبعی امر ہے۔

اس لئے انسانی نفسیات و جذبات کا اقتضا یہ ہے کہ انسانوں کے وضع کئے ہوئے قانون پر خود انسانوں ہی کے اکثر و بیشتر افراد کا اعتماد نہ ہوگا اور جب قوانین پر اعتماد نہیں تو ان قوانین کا انسانوں کے ہاتھوں

پامال ہونا بھی ایک ضروری امر ہے، یہی وجہ ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ جہاں بھی جمہوریت کے نام سے حکومتیں قائم ہوئی ہیں وہاں جمہوری قوانین پامال ہورہے ہیں، انسانی زندگی ہمیشہ مصیبت میں مبتلا رہتی ہے، اصل مقاصد کیا پورے ہوتے، ایک عظیم مصیبت باشندگانِ ملک پر نازل ہوجاتی ہے، کیونکہ مفروضہ جمہوریت میں جو پارٹی برسر اقتدار اور حکمراں ہوتی ہے اس کے نقائص کی بنا پر اس پارٹی کے اقتدار کو ختم کرنے اور اس کے بنائے ہوئے قانون کو منسوخ کرنے کے احساس سے باشندگان ملک میں ایک طبقہ پیدا ہوجاتا ہے جو ہر وقت اسی دھن میں لگا رہتا ہے۔

ان مصائب کے علاوہ ایک عظیم مصیبت یہ ہے کہ برسر اقتدار پارٹی کو ختم کرنے کی صورت تو یہی ہے کہ پارلیمنٹ اور اسمبلی توڑ دی جائے اور پھر سے واضعین قانون کا انتخاب ہو، اور ہر انتخاب میں انسانوں کی محنت ومشقت سے حاصل کئے ہوئے، لاکھوں روپے پانی کی طرح بہادئے جائیں، اس کے سوا ظالم واضعین قانون اور ان کے اقتدار کے ختم کرنے کا کوئی آئینی ذریعہ نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ اس طرح باربار مال ضایع کرنا انسانی مقصد "حفظ مال" کے نقصان کا اعتراف کرنا ہے۔

تم سوچو کہ ہر تین یا پانچ سال کے بعد اگر کوئی ایک پارٹی برسر اقتدار آتی ہے، اور وہ سابق قوانین کو منسوخ کرکے، اپنے منشاء کے مطابق قوانین بناتی ہے تو باشندگان ملک کسی حال میں بھی چین سے بیٹھ سکتے ہیں؟ اور عزت وآبرو کے ساتھ کاروبار چلانے، زندگی بسر کرنے کے لئے کسی ایک نہج وطریق کو اختیار کرکے اطمینان کی سانس لے سکتے ہیں؟

فطرت انسانی اور واقعات ومشاہدات کی روشنی میں عقل وبصیرت کا فیصلہ صرف یہ ہے کہ کبھی اطمینان نہیں ہو سکتا!

اوپر کی سطروں میں جمہوری حکومت اور اس کے اختیارات وضع قانون پر، جو چند اعتراضات کئے گئے ہیں، کیا ان کا کوئی شافی جواب ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، اور انہی وجوہ سے ہر عقلمند آدمی سمجھ سکتا ہے کہ انسان کی مادی زندگی کے مفاد کی حفاظت ونگرانی کے لئے جمہوری نظام حکومت بھی صحیح نہیں ہے۔ تاہم تھوڑی دیر کے لئے ان مشکلات اور اعتراضوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے یہ تسلیم کرلو کہ،

(۱) رائے عامہ کے کامل اتفاق کے ذریعہ اکثریت سے واضعین قانون کا انتخاب عمل میں آیا،

(۲) اور اس طرح کامل اتفاق رائے یا اکثریت سے صدر، یا وزراء وغیرہ بھی منتخب ہو گئے،

گویا فرض کرلو کہ سرِدست باشندگانِ ملک کے اندر کوئی شخص نہیں ہے کہ جس کو ان پر اعتماد نہ ہو، اور ان لوگوں کی کسی کارروائی پر کوئی شک وشبہ ہو، یعنی یہ لوگ انسان کی صورت میں فرشتے ہیں، ان میں کا ہر فرد اپنے نسلی، قبائلی، اقتصادی مفاد کی برتری اور تحفظ کے جملہ تصورات سے بالاتر ہے، اور اس وجہ سے جتنے قوانین بنائے جائیں گے، وہ تمام باشندگانِ ملک اور بنی نوعِ انسان کے لئے یکساں مفید ہوں گے، اس لئے کسی کو بے اعتمادی کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اور اُن واضعین قانون اور اصحابِ حکومت نے تمام باشندگانِ ملک کے اموال کی حفاظت کے لئے نہایت ضروری سمجھا کہ کسی شخص کے مال کو اس سے چھپا کر لے بھاگنا، یا اس سے زبردستی چھین لینا ممنوع قرار دیا جائے یعنی ان طریقوں سے حصولِ مال کا ذریعہ باطل قرار دیا جائے، اسی کے ساتھ اس قانون کا ہونا بھی ضروری قرار دیا جائے کہ اگر کوئی شخص چوری کرے یا ڈاکہ ڈالے تو اسے کوئی خاص عبرت انگیز سزا دی جائے۔

اُصولی طور پر اس قانون کی افادیتِ عامہ سے کس کو انکار ہو سکتا ہے اور نہ اس کی ضرورت اور اہمیت پر کسی کو حرف گیری کا موقع مل سکتا ہے۔ کیونکہ یہ قانون ایک انسانی مقصد یعنی حفاظتِ مال کا ذریعہ ہوگا، چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ ہر ایک حکومت نے اس قانون کو وضع کیا ہے

ہر ملک میں یہ قانون اصولی طور پر منظور شدہ اور رائج ہے، خواہ اُس ملک کا دستور حکومت شخصی ہو، جمہوری ہو یا کسی اور قسم کا ہو، اور ہر ایک ملک میں اس کے باشندوں ہی کے ہاتھوں یہ قانون روزانہ پامال ہو رہا ہے اور محض اتفاقی طور پر نہیں بلکہ برابر اور مسلسل چوریاں اور ڈکیتیاں ہو رہی ہیں اور اس قانون کے ذریعہ بھی انسان کے مال کی حفاظت نہیں ہو رہی ہے۔

ہندوستان میں تو خیر ابھی جمہوریت کی ابجد شروع ہوئی ہے یہاں کی قانونی خلاف ورزیاں کسی شمار میں نہیں انگلستان اور امریکہ وغیرہ جو جمہوریت کے گہوارے ہیں، اور جمہوری نظام حکومت کے بہترین نمونے ہیں، وہاں کی قانون شکنی خصوصیت سے قابل غور و توجہ ہے کہ وہاں کے چور ڈاکو محض جاہل اور ان پڑھ نہیں ہوتے بلکہ بڑے بڑے تعلیم یافتہ، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی سندیں رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اب یہ امر غور طلب ہے کہ آخر اس مفید قانون کی خلاف ورزیاں کیوں ہوتی رہتی ہیں؟

ایک اسی قانون پر موقوف نہیں بلکہ انسانوں کے بنائے ہوئے جس قانون کو دیکھو، وہ انہی کے ہاتھوں پامال ہے، اور ان ہی کے دلوں میں اس کا کوئی احترام نہیں، دھوکہ یا فریب دیکر کسی ایک شخص یا ایک سے زائد

اشخاص وگروہ سے مالی نفع اٹھانا کس حکومت میں ممنوع نہیں ہے، خواہ وہ حکومت شخصیۂ مطلقہ ہو یا مقیدہ، یا حکومت دستوریۂ جمہوریہ ہو یا اشتراکیہ بالشویکیہ، وحدانی حکومت ہو، یا وفاقی، الغرض انسانوں کے ہر تجویز کردہ اسلوب حکومت میں فریب ودغا بازی سے تحصیل زر ممنوع ہے، اور اس جرم کے مجرمین کے لئے سزائیں بھی مقرر ہیں، مگر تم جانتے ہو کہ اس قسم کے جرائم روزانہ ترقی پذیر ہیں، اس قانون کی پامالی سے اموال کی حفاظت کا مقصد رات دن فوت ہو رہا ہے، اور اسی قدر نہیں، بلکہ کبھی کبھی اس کا اثر اس قدر دور رس ہوتا ہے کہ فریب خوردہ انسانوں کی جان تک ضایع ہو جاتی ہے۔

اسی طرح کسی کو سب وشتم کر کے اس کو اذیت پہنچانا کس حکومت میں ممنوع نہیں ہے، مگر دنیا جانتی ہے کہ روزانہ ہر گلی کوچہ میں اس قانون کی مٹی کس قدر پلید ہو رہی ہے، اور تم اس سے ناواقف نہیں ہو۔

کسی کو ناحق مار پیٹ کرنا یا کسی کی جان ضایع کر دینا، ہر قسم حکومت کے اندر حفظ عزت وجان کے مقصد سے قانوناً ممنوع ہے، اور جو شخص بھی اس قانون کی خلاف ورزی کرے وہ اس سزا کا مستحق ہے جو واضع قوانین نے اس جرم کے لئے مقرر کر دی ہے، لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ اس قانون کی آج عملی زندگی میں کس قدر بے وقعتی ہو رہی ہے؟

اولادِ آدم کو بلا تکلف روزانہ نقصان پہنچایا جارہا ہے، حکومت کی چلتی پھرتی کٹھ پتلیاں (محکمہ پولیس) اور اس کے ماہرین عدالت روزانہ انسانی قوانین کی پامالیوں کا تھوڑا بہت فلم تیار کرکے دنیا کو عبرت خیز تماشا شہ دکھاتے رہتے ہیں، کیا ان واقعات اور مشاہدات کی بنا پر انسانی عقل و بصیرت اس نتیجہ پر نہیں پہنچتی، کہ جب واضعین قانون، انسان ہوں گے اور حکام بھی انسانی قانون ہی کے ماتحت مقرر ہوں گے، تو دنیا میں اسی طرح انسانوں کی جان و مال، عزت و آبرو ہمیشہ برباد ہوتی رہیگی، ان حکومتوں کا مفید سے مفید قانون بھی اسی طرح پامال ہوتا رہیگا۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مقاصد زندگی کا تحفظ انسانوں کے خود ساختہ اصولوں اور حکومتوں کے ذریعہ ایک خیال خام ہے جو نہ کبھی ہوا ہے اور نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔

چھٹی فصل

انسانی نظام حکومت کی ناکامی کے اسباب و نتائج

انسانوں کے خود ساختہ طرز ہائے حکومت، اور ان حکومتوں کے وضع کردہ قوانین کی پامالیوں اور عدم افادیت کو دیکھ کر ہر عقلمند انسان کے دل میں قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ آخر اس کے اسباب اور وجوہ کیا ہیں

اور جب ان اسباب وعلل پر غور کرتا ہے تو حسب ذیل حقائق پوری تابانی کے ساتھ اس کے سامنے آتے ہیں :-

اولؔ یہ کہ چونکہ ہر انسان سمجھتا ہے کہ جو قانون وضع کیا گیا ہے اس کے وضع کرنے والے ہمارے ہی جیسے انسان ہیں، عام ازیں کہ کوئی شخص اپنے ذاتی اقتدار کے باعث بطور خود واضع بن بیٹھا ہو، یا انسانوں ہی کی طرف سے بذریعہ انتخاب یا نام زدگی، اس کو یہ حق حاصل ہو گیا ہو، اور وہ ایک ہو یا سیکڑوں اور ہزاروں، بہر حال وہ انسان ہے، اور تمام لوازم بشریت اس میں موجود ہیں، اور بشری خواہشات ونفسیات اور عصبیات سے مبرا نہیں ہے، اور نہ ہو سکتا ہے۔

اس لئے ایسے انسانوں کے وضع کئے ہوئے قوانین پر ہر انسان کو یہ اعتماد نہیں ہو سکتا کہ واضع قوانین نے نسلی یا طبعیاتی رجحان یا اقتصادی وقبائلی عصبیت اور جنبہ داری سے بالا تر ہو کر قانون وضع کیا ہے، اور جب واضع قوانین کے متعلق جائز شبہات موجود ہوں تو قانون کے احترام کی بنیاد ابتدا ہی سے ناپید ہو گئی، اور جب اس کا احترام غائب ہو گیا تو اس کی پابندی کا خیال کس اصول سے ہر انسان کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے؟

دومؔ یہ کہ اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ واضعین قانون نے تمام ذاتی وقبائلی، اور طبعیاتی جذبات سے بالا تر ہو کر قانون وضع کیا ہو،

مگر اس کے وضع کردہ قوانین کی عدم افادیت کے لئے یہ قوی شبہ موجود ہے
کہ مقننین تمام انسانوں کے دلی جذبات وحسیات اور ان کی زندگی کی تمام
ضروریات ولوازمات کے احاطہ سے قاصر وعاجز ہیں، کیونکہ وہ لوگ ہر ہر انسان
کی دلی خواہشات وجذبات کی واقفیت پر کسی حال میں قادر نہیں ہیں، اور
اور نہ ہو سکتے ہیں، ایسی حالت میں کسی شخص کو کس طرح وثوق ہو سکتا ہے
کہ واضعین قانون نے ہر ایک کے مصالح اور مفاد کو ملحوظ رکھ کر قانون
بنایا ہے، اور جب اس کا وثوق نہیں ہو سکتا ہے تو قانون کا احترام بھی
کسی انسان کے دل میں قائم نہیں ہو سکتا،

سوئم یہ کہ اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ قانون کی افادیت عامہ کی
تشریح وتوضیح کرکے انسانوں کے دلوں میں اس کا احترام اور اس کی
پابندی کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، پھر بھی عملاً اس کا احترام
قائم نہیں ہو سکتا ہے، اور انسانوں کے دلوں میں اس امر کا کوئی داعیہ
نہیں پیدا ہو سکتا کہ وہ ان قوانین پر پورے طور سے عمل درآمد کریں،
کیونکہ ہر قانون انسان کے فطری اور طبعی حریت مطلقہ کو ایک حد
تک محدود کر دیتا ہے جو اس کی آزاد طبیعت پر ایک ناگوار بوجھ ہوتا ہے
اس لئے ضرورت ہے کہ اس ناگوار بوجھ کو اٹھانے کے لئے کوئی ایسی چیز
موجود ہو، اس تقیید کی کافی مکافات کر دے اور تقیید کی ناگواری

خوشگواری سے بدل جائے، مگر دنیا جانتی ہے کہ واضعین قانون، اور ان کی
حکومتیں، انسانوں کو ایسا ہوشمند بدل دینے سے آجتک قاصر رہی ہیں اور
ہمیشہ رہیں گی۔ ہاں یہ حکومت کے چند وفاداروں کے لئے جو قانون کے
آگے اپنا سر خم کر دینے کو تیار ہیں کچھ جاگیریں دیکر انھیں قانون کی پابندی
پر راضی کر لیا جاتا ہے، مگر ہر انسان کو جاگیر دیدینا ان کے بس کی بات
نہیں، پھر ہر شخص کیوں وفادار رہے؟

کچھ حکومتوں نے چند خطابات کے ذریعہ احترام قانون اور جذبہ وفاداری
پیدا کرنا چاہا، مگر وہ بھی ہر ایک کے لئے ممکن نہیں، اور اگر ہر ایک کے لئے
ہو جائے تو اس عطیہ کی افادیت ہی غائب ہو جائے۔ الغرض قانون کی
پابندی کہ جس سے حریت مطلقہ مقید ہو جاتی ہے بخوشی گوارا کر لینے کے لئے
انفرادی امور تامہ یا مشغلوں کے لئے کوئی حکومت آج تک قادر نہ
رہی اور نہ ہو سکتی ہے، اس لئے زیادہ سے زیادہ جو چیز واضع
قانین آجتک قانون کے احترام اور حکومت کی وفاداری کے لئے کر سکے ہیں
وہ صرف ایک ہے یعنی قانون کے عدم احترام اور اس کی خلاف ورزی
کو روکنے کے لئے خوف دلانے والے امور انسانوں کے سامنے ہوں تاکہ
انسان یہ غور کرے کہ ایک طرف قانون کی پابندی میں اپنی طبعی
آزادی سے لذت اندوز ہونے کی محرومی ہے، اور دوسری طرف قانون

کی خلاف ورزی میں مصائب اور شدائد مقررہ کی المناکی ہے، اب ان دو مصیبتوں میں کس مصیبت کو برداشت کرے، اور یہ ظاہر ہے کہ دوسری مصیبت بڑی ہے، اس لئے ہر عقلمند آدمی اس دوسری مصیبت عظمیٰ سے بچنے کے لئے پہلی مصیبت کو برداشت کرے گا، اور اس طرح قانون کا احترام قائم ہو جائے گا۔

الغرض تمام عقلائے دہر کے نزدیک حکومت انسانی کے قوانین کی پابندی و احترام کا داعیہ انسانوں کے دلوں میں پیدا کرنے کے لئے کوئی موثر چیز عمومیت اور شمولیت تامہ کے ساتھ نہیں ہو سکتی ہے، بجز اس کے کہ خلاف ورزی قانون کی صورت میں جانی و مالی سزاؤں کا خوف ہو سکتا ہے، اس لئے واضعین قانون اور حکومتوں نے قانون شکنی کرنے والوں کے لئے سزاؤں کے قوانین وضع کئے اور اسی ہیبت اور خوف کے اثرات و نتائج کو بروئے کار لانے کے لئے حکومتوں نے انتظامی اور عدالتی محکمے قائم کئے مگر تمہیں معلوم ہے کہ ہیبت، خوف اور اس کے مظاہرہ کے تمام انتظامات بھی انسانی دلوں میں انسانی قوانین کا کامل احترام قائم نہیں کر سکے اور ہر روز ہزاروں لاکھوں انسانوں کے مقاصد زندگی ضائع ہو رہے ہیں، قوانین حکومت کی پامالی و بے قدری ہو رہی ہے اور تعزیری قوانین اور ان کے نفاذ کی تمام مشینیں اصل مقصد کی حیثیت سے بے کار ہیں

آخر کیوں؟

اس لئے کہ ہر فرد بشر جانتا ہے کہ حکومت اور اُس کے متعلقین ہمارے ہی جیسے انسان ہیں اور اس کے تمام انتظامی محکمے کے افراد بھی انسان ہی ہیں، اس لئے ان کے اختیار اور قوت سے یہ امر باہر ہے کہ انھیں ہر قانون شکنی کرنے والے کا علم بھی ہو سکے، کیونکہ ہر شخص کے اعمال وافعال کی چوبیس گھنٹے نگرانی کرنے کے لئے کوئی حکومت کوئی نظم نہیں کر سکی ہے، اور نہ کبھی کر سکتی ہے، اور جب حکومت کا نظام اس طرح کی کامل نگرانی سے قاصر ہے، تو تمام قانون شکنوں کا اسے علم ہونا بھی ناممکن ہے، اس لئے قانون شکنی کرنے والے اپنے ذاتی مفاد کے حصول کے لئے نہایت دلیری کے ساتھ قانون شکنی کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں! اسی کے ساتھ ہر انسان یہ بھی سمجھتا ہے کہ اگر اتفاقاً کسی شخص کی قانون شکنی کا علم حکومت کی پولیس وغیرہ کو ہو بھی جائے، تو یہ ضرور نہیں کہ قانون شکن سزایاب بھی ہو، کیونکہ پولیس اور حکام بھی ہمارے جیسے انسان ہیں، وہ بھی طمع وحرص سے خالی نہیں ہیں، اس لئے نہایت آسانی کے ساتھ رشوت دیکر ان کی گرفت سے رہائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ ان میں اور بھی کمزوری ہے، اور وہ دوسرے اثرات سے بھی متاثر ہو سکتے ہیں، اس لئے بغیر کچھ خرچ کئے ہوئے محض سفارشوں

سے بھی رہائی ہو سکتی ہے، اور روزمرہ کے واقعات سے یہ تمام امور ثابت ہیں، ان حالات میں قانون کے احترام کا جو ذریعہ عقلائے دہر نے تجویز کیا تھا وہ بھی اپنے مقاصد کے لحاظ سے بے کار ثابت ہو گیا، اور انسانی زندگی کے مقاصد کی تعیین و تحفظ کے لئے انسانوں کا خود ساختہ نظام حکومت اور اس کے قوانین، واقعات و تجربات کی روشنی میں عقل و بصیرت کے نزدیک بے کار ثابت ہوئے۔

انسانوں کے تجویز کردہ نظام حکومت اور ان کے قوانین کی ناکامی کے وہ اسباب جن کا ذکر کیا گیا ہے، ان کے علاوہ ایک سب سے بڑا اور اہم سبب یہ بھی ہے کہ قانون شکنی کو محض اپنے تعزیری قوانین سے روکنے کی سعی کی جاتی ہے اور اسی کے متعلق قوانین بنائے جاتے ہیں، جن کا اثر قانون شکنی یعنی انسانوں کے مقصد زندگی کو نقصان پہنچنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے، حالانکہ ضرورت اس کی ہے کہ قانون شکنی کے جذبہ اور تخیل کو روکا جائے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ قانون شکنی کے دواعی و محرکات کا سدِ باب ہو کہ فساد کا سرچشمہ وہی ہوتے ہیں، اور جب سرچشمہ کے دہانہ پر بند باندھا جائے گا تو فساد کا سیلاب کیونکر رک سکتا ہے؟ مثلاً چوری کرنے کا سرچشمہ احساس تنگ دستی و حرص مال ہے جس کا تعلق محض دل و دماغ سے ہے اور یہ ایسی چیز ہے جس کے تعلق انسانی حکومتیں،

کوئی قانون بنانے سے قطعاً قاصر ہیں، اسی طرح حفظ جان، حفظ عزت حفظ نسل کے قوانین کو توڑنے کے جو محرکات و دواعی ہیں ان کے متعلق بھی بہت زیادہ حد تک حکومتیں قاصر رہی ہیں۔

اور دوسرا سبب یہ بھی ہے کہ جب انسان یہ دیکھتا ہے کہ ہمارے ہی جیسا انسان قانون بناتا ہے اور پھر وہی ہم کو اپنے خود ساختہ قوانین پر عمل کرنے کے لئے مجبور کرتا ہے، خواہ وہ قانون اس کی مرضی کے مطابق بنا ہو یا خلاف، تو اس کی فطری آزادی وحریت کو سخت ٹھیس لگتی ہے، اور سمجھتا ہے کہ وہ اپنے ہم جنس کی غلامی پر مجبور کیا جاتا ہے، اس لئے اس کی فطرت اس کو انسانی حکومت کی بغاوت پر ابھارتی ہے، اور وہ جانتا ہے کہ جب ایک انسان دوسرے انسان کا غلام بنا کر اطاعت پر مجبور کیا جا سکتا ہے تو وہ خود کیوں نہ اپنے ہم جنس انسان کی غلامی سے چھٹکارا حاصل کر کے انھیں اپنا غلام بنانے کی سعی کرے حکومتوں اور قوانین کے ردوبدل اور تغیرات کے اسباب میں اس احساس کو بہت زیادہ دخل ہے، جو ایک طبعی امر ہے۔

اس لئے ان تمام حقائق اور حالات کو پیش نظر رکھ کر عقل سلیم اور بصیرت تامہ انسانوں کی صرف مادی زندگی کے مقاصد کی تفصیل

وتحفظ کے لئے حسب ذیل نتائج اخذ کرنے پر مجبور ہے:-

(۱) وضع قانون کا اصلی مرکز کوئی انسانی گروہ یا فرد نہ ہو۔ تاکہ قبائلی، نسلی، اقتصادی جنبہ داری یا ذاتی ہوس کے تمام امکانات منقطع ہو جائیں، اور قانون سے بے اعتمادی کے جتنے راستے ہیں سب ناپید ہو جائیں۔

(۲) وضع قانون کا اصلی مرکز اور سرچشمہ ایسی ذات ہو جو انسانوں کی تمام ضروریات زندگی، اور ان کے جذبات وحسیات سے پورے طور پر واقف ہو، اور انسانوں کے قبائلی، نسلی، اقتصادی اور طبعی رجحانات اور ان کی فطری خواہشات سے پوری طرح آگاہ ہو، تاکہ اس کے قانون پر ہر انسان اور ہر طبقہ کے لوگوں کو کامل وثوق ہو سکے کہ وضع قانون میں مقنن سے کسی کی ضرورت، حاجت اور رجحانات مخفی نہ تھے، اور سب کا لحاظ کر کے قانون بنایا گیا ہے، تاکہ مقننین کی کوتاہ نظری کی وجہ سے قانون پر جو بے اعتمادی پیدا ہو سکتی ہے، اس کا امکان باقی نہ رہے۔

(۳) جو واضع قانون ہو حقیقۃً وہی اس قانون کا نگراں ہو، بایں معنی کہ اس کے قانون پر کس طرح عمل کیا جاتا ہے، اور اس کی نگرانی پر پوری طرح قدرت رکھتا ہو، اور ہر انسان جس نے واضع قانون کی ہستی

کو تسلیم کرلیا ہو، اور اس کو علم ہو کہ واضع قانون خود نگرانی کر رہا ہے، تو اس صورت میں اس کو قانون کی خلاف ورزی کی ہمت نہ ہوگی جس سے نظام انسانی فاسد ہوتا ہو۔ لیکن اس نگرانی کے لئے ضروری ہے کہ واضع قانون :-

(الف) ہر انسان کے ہر عمل سے جو اس کے اعضائے جوارح سے سرزد ہوتے ہیں، ہر وقت واقفیت رکھتا ہو اور خود دیکھتا رہے، کیونکہ انسانی مقاصد اربعہ کو نقصان پہنچانے والے کام اکثر اعضائے جوارح سے ہوتے ہیں۔ مثلاً دوسروں کے حاصل کردہ مالوں کو بغیر کسی استحقاق کے لینا، چورانا، غصب کرنا، لوٹنا، ضائع کردینا، مار پیٹ کر کے کسی کی توہین و تذلیل کرنا، یا کسی جسم کو نقصان پہنچانا، یا کسی کو ناحق جان سے مار ڈالنا، یا کسی عورت کی عفت اور پاک دامنی کو دھبہ لگا کر نسل کو خراب کرنا۔

(ب) انسانی مقاصد کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ اکثر و بیشتر زبان بھی ہوتی ہے، اس لئے مقاصد اربعہ کی حفاظت کے لئے جو قوانین ہونے چاہئیں۔ ان کی نگرانی کے لئے ضرورت ہے کہ واضع قانون کی سماعت محیط ہو، کہ کسی شخص کی کوئی آواز اس کی سماعت کے احاطہ سے باہر نہ ہو، تاکہ قانون کی وہ پوری نگرانی کر سکے۔

(ج) بلکہ اس کی بھی ضرورت ہے کہ واضع قانون کا علم و بصیرت انسانوں کے دلی خیالات و ارادہ تک محیط ہو، کیونکہ ہر عاقل انسان کا جو کام اور فعل اعضاء سے ظاہر ہوتا ہے، اس سے پہلے اس کے دل میں ارادہ پیدا ہوتا ہے، پس اگر واضع قانون کا علم صرف اس فعل تک محدود ہوگا جس کے ذریعہ قانون شکنی وقوع پذیر ہوتی ہے، تو قانون شکنی کا سرچشمہ یعنی ارادۂ انسانی واضع قانون کے احاطۂ نگرانی سے باہر سمجھا جائیگا، اور نگرانی کامل نہیں ہوسکتی، اس لئے ضرورت ہے کہ واضع قانون کا علم اور اس کی بصیرت دلوں کی گہرائیوں تک محیط ہو، تاکہ انسان ہر عمل کا ارادہ کرتے وقت یہ جان لے کہ واضع قانون کی نگرانی اس کے ارادہ پر بھی قائم ہے۔

(۴) مگر ظاہر ہے کہ واضع قانون میں صرف انہی صفات کا ہونا کافی نہیں ہے، کیونکہ واضع قانون میں ان صفتوں کے ہونے کا ثمرہ تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے قوانین پر کسی شخص کو بے اعتمادی کا موقع نہیں رہے گا، اور یہ کہ قانون کے عمل درآمد کی پوری نگرانی ہو سکے گی، مگر چونکہ ہر قانون انسان کی طلق العنان آزادی پر یقیناً اثر انداز ہوتا ہے، اور ہوگا، اور اس کے ذریعہ کچھ نہ کچھ آزادی سلب ہوگی جو انسانی طبیعتوں پر ایک گونہ فطرۃً اور طبعًا بار ہوگا، اس لئے اس کی بھی ضرورت

ہے کہ واضع قانون ایسی ہستی ہو کہ اس تقیید کے عوض، یعنی محض قانون کے مطابق زندگی گذارنے کی وجہ سے ایسی چیزیں اپنی طرف سے عطا کرے جن کے پانے یا تصور سے انسانوں کے دل مسرور رہیں۔ گویا بدل ما یتحلل کے اصول پر تقیید کا معاوضہ انسانی خواہشات و نفسیات کے مطابق نہایت روح افزا ہوتا کہ تقیید کا بوجھ نہ صرف یہ کہ ہلکا ہو جائے بلکہ انسان محسوس کرے کہ اس کی زندگی کا راز اسی تقیید کی پابندی میں مضمر ہے، اور جب واضع قانون اس صلاحیت کا ہو، اور انسان کو علم ہو جائے کہ تقیید اور پابندی کسی کام کے کرنے کی صورت میں ہو، یا کسی کام کے نہ کرنے کی صورت میں، بہر حال اس کی بجا آوری میں انسان واضع قانون کی طرف سے خاص انعام و اکرام کا مستحق ہوگا، تو انسان کا فطری تقاضا ہوگا کہ وہ خوشی خوشی اس تقیید کو برداشت کرے، اور اس کے قلب میں اس امر کا خاص داعیہ پیدا ہو جائیگا، کہ وہ ہر قانون کا احترام کرے اور اس کے مطابق زندگی گذارے۔

(۵) لیکن اس کا بھی امکان ہے کہ بعض انسان ایسے ہوں جنہیں واضع قانون کے ان کمالات کا علم و یقین نہ ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض انسان ایسے ہوں جن کو واضع قانون کے ان کمالات کا علم و یقین تو ہو مگر اس کے دل و دماغ پر نفس کی قوت بہیمہ اور قوائے شہوانیہ کا غلبہ ہو،

اس وجہ سے وہ اپنے جذبات کے تابع ہو کر قانون کی خلاف ورزی پر آمادہ ہو جائے۔ اس لئے واضع قانون کے اندر اتنی طاقت اور قدرت ہونی چاہیئے کہ قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے جو موثر اور خوفناک سزائیں مقرر کی ہوں، انھیں نافذ کر سکے۔

(۶) ان تمام باتوں کے ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ قانون کی عظمت واضع قانون کی عظمت کے ساتھ وابستہ ہے، اور واضع قانون کے کمالات جمالی کے ساتھ، کمالات جلالی انسانوں کو قانون کی پابندی پر اسی وقت مجبور کریں گے جبکہ واضع قانون کی عظمت اور جلال وجبروت کی تجلی انسانی دل ودماغ پر مسلط ہو۔ مگر ضروریات زندگی کی فکر وتلاش، اور کاروبار کے انہماک میں یہ صورت کس طریقہ پر پیدا ہو سکتی ہے؟ اس کے لئے واضع قانون کو مقاصد اربعہ متذکرۂ صدر کے علاوہ ایسے اصول وضع کرنے کی ضرورت ہوگی جس سے اس کا تدارک ہو جائے اور انسان تباہ نہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ واضع قانون کی ذات گرامی میں اگر ایک طرف انعام واکرام کی جلوہ نمائی ہو تو دوسری طرف اس ذات اقدس میں جلال وجبروت کی ایسی تجلی قائم ہو جس کے تصور سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، تاکہ اگر ایک طرف قانون کی افادیت عام انسانوں کو اپنی طرف کھینچے تو دوسری طرف واضع قانون کے تمام کمالات متذکرۂ صدر قانون کی پابندی

پر انسان کو برانگیختہ کریں، اور اس کے خاص اصولوں کی پابندی سے اس کے کمالات کی تجلی انسان پر پڑتی رہے، اور اسی کے ساتھ اس قانون کی پابندی میں انسان کے اس جذبۂ خودی کو ٹھیس لگنے کا کوئی اندیشہ نہ رہے کہ وہ اپنے ہی جیسے انسان کے قوانین کی پابندی کرنے سے اپنے ذاتی شرف انسانیت کو صدمہ پہنچا رہا ہے۔

الغرض انسانی عقل و بصیرت اور واقعات و تجربات کی روشنی میں انسانوں کے خود ساختہ قوانین، اور ان کی خود ساختہ حکومتوں کو، خود انسان کے مادی مفاد کے حق میں غیر مفید سمجھتے ہوئے مذکور الصدر نتائج پر پہنچتی ہے اور انسان کو مادی زندگی کی ضرورتیں مجبور کرتی ہیں کہ مذکور الصدر صفات کا کوئی واضع قانون تسلیم کرے، اور مقاصد اربعہ انسانیہ کے تحفظ کا قانون جو ہستی بنائیگی یقیناً وہ ہستی انسانوں کے جماعتی نظام کا اصول بھی حصولاً وضع کرے گی، کیونکہ مقاصد اربعہ انسانی کے تحفظ کی ضرورت انسانوں کی مدنیت اور اجتماعیت ہی کی خاطر سامنے آئی ہے، اور اسی کی وجہ سے قانون کی ضرورت پڑی ہے اس لئے جو ہستی مقاصد اربعہ انسانیہ کے تحفظ و بقا کے لئے قانون بنانے کا استحقاق رکھتی ہے، اسی کو جماعتی نظام کے اصول وضع کرنے کا بھی استحقاق ہونا چاہیئے، کیونکہ اگر جماعتی نظام کے اصول وضع کرنے کا اختیار انسان اپنے ہاتھ میں فرض کرے تو پھر وہ تمام نقائص اور اعتراضات لوٹ آتے ہیں جو گذشتہ اوراق میں بتائے جا چکے ہیں۔

ساتویں فصل

واضع قانون کا تعین

انسانی عقل و بصیرت انسانوں کی اجتماعی اور مادی زندگی کے مقاصد کے تحفظ کے لئے دلائل و براہین کی روشنی میں جب اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ اس کے مقاصد کے تحفظ اور اس کے نظم و انتظام کے لئے جو اصول و قوانین ہوں، اُن کی واضع کوئی ایسی ہستی ہو، جو انسانوں سے ماورا ہو، اور اس میں وہ تمام صفات ہوں، جن کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے، تو اب عقل و بصیرت انسانی کے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ وہ ہستی کون ہے جس میں یہ تمام صفات موجود ہیں جن کی وجہ سے یہ استحقاق حاصل ہوتا ہے، اس سوال کے حل کے لئے عقل و بصیرت نے کائنات عالم کی ایک ایک چیز کا جائزہ لیا، اس کی ہستی، اس کے صفات اور اثرات پر غور کیا، تو وہ اس نتیجہ پر پہنچی، کہ یہ تمام کائنات عالم جو ہمارے سامنے ہے، اس کی تخلیق اور اس کے وجود میں انسان کو کوئی دخل نہیں ہے۔ کیونکہ ہر روز دیکھا جاتا ہے کہ ہزاروں لاکھوں انسان روزانہ پیدا ہوتے ہیں اور متاع کائنات سے ایک مدت تک فائدہ اُٹھا کر رخصت ہو جاتے ہیں، مگر کائنات عالم کی ہر چیز اپنی جگہ پر قائم ہے، نہ آسمان میں کوئی تغیر

ہوتا ہے، نہ سمندروں میں، نہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہلتے ہیں، اور نہ دریاؤں و جنگلوں میں آگ لگ جاتی ہے، زمین بھی اپنی جگہ بجنسہ موجود ہے، کسی قسم کا تغیر نہیں ہوتا جس سے ظاہر ہے کہ کائنات عالم کی ان قدرتی اشیاء کی تخلیق میں انسان کو تو کوئی دخل نہیں ہے۔ کیونکہ اگر انسانی فکر و عمل کو ان سب کے وجود و تخلیق میں کچھ دخل ہوتا تو کچھ نہ کچھ تغیر تو ہونا ضروری تھا، اسی طرح آسمان، آفتاب، ماہتاب، دریا، پہاڑ، سمندر، طیور، وحوش، بہائم وغیرہ سب کے سب اپنے وجود اور خلقت میں انسان سے بالکل بے نیاز ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کائنات عالم میں ایک چیز بھی تو ایسی نہیں ہے جس کو انسان کی احتیاج ہو، آسمان، زمین، سورج، چاند اور دیگر جاندار چیزیں تو ایک حد تک بڑی چیزیں ہیں، اگر گھانس کے ایک تنکہ کو لیکر دیکھو، تو وہ بھی انسان کی ذات اور اس کی تمام قوتوں سے بے نیاز ہے۔ ایک تنکہ تک کو انسان سے کامل استغنا حاصل ہے۔ اگر تم ان چیزوں سے سوال کرو کہ کیا تمھیں انسان کی ضرورت ہے؟ تو ہر چیز تم کو زبان حال سے یہی جواب دے گی کہ کوئی ضرورت نہیں بلکہ کچھ چیزیں تو انسان کے متعلق یہی کہیں گی کہ انسان تو ہمارے لئے ایک حد تک مصیبت ہے۔ زمین کے سینوں کو ہل اور پھاوڑوں سے چیرتے ہو، خندقیں کھود کھود کر زمین کے دل و جگر و حل و جواہر

کو نکال کر اپنے تصرف میں لاتے ہو، کہیں زمین کو پیروں سے روندتے ہو، کہیں اسے نجس کرتے ہو، اسی طرح اپنے اغراض کے لئے دوسری اشیاء پر تصرف کیا کرتے ہو جس سے ان اشیاء کے سکون وراحت میں فرق پڑتا ہے جس کو بظاہر مضرت ہی خیال کیا جا سکتا ہے، ان حالات میں کائنات عالم کی کونسی چیز ہو سکتی ہے جو انسان کی محتاج ہے۔

کائنات عالم کی تمام چیزوں کے ان حالات کو دیکھکر ہر انسان کی عقل سلیم اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ کوئی ذات ایسی موجود ہے، جس نے کائنات عالم کو انسان کے مفاد کے لئے پیدا کیا ہے، جس سے براہ راست یا بالواسطہ کسی نہ کسی طرح اپنی زندگی میں فائدہ اٹھاتا ہے، اور اسی پیدا کرنیوالے کی قدرت کاملہ اور تسلط تامہ کا یہ اثر ہے کہ دنیا کی ہر چیز بلا چون وچرا انسان کی خدمت گذاری میں اپنی اپنی صلاحیت واستعداد کے مطابق لگی ہوئی ہیں اور جن چیزوں تک انسانی طاقت کی رسائی ہے، ان میں اپنی مرضی کے مطابق انسان جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔

پس جس ذات اقدس نے کائنات عالم کی تخلیق، اور ان سب سے براہ راست یا بالواسطہ نفع اٹھانے کا موقع انسانوں کو دیا ہے، وہی ذات ایسی ہو سکتی ہے کہ انسانوں کے جماعتی نظام اور شخصی زندگی کے لئے اصول وقوانین وضع کرے، کیونکہ آخر کائنات عالم کی ہر چیز جو اپنے اپنے طور پر

قائم رہ کر انسانوں کی خدمت کر رہی ہے، وہ بھی تو اسی کے قانون کی پابند ہے وہ تو انسانوں کے خود ساختہ قانون کی پابند نہیں رہیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ سورج اور چاند کی گردش ایک خاص قانون کی پابند ہے جس کے ماتحت وہ گردش کر کے رات اور دن کے مظاہرات سے انسانوں کو لطف اندوز ہونے کا موقع دیتے رہتے ہیں، ان کی قانونی پابندی ہی کا تو یہ نتیجہ ہے کہ انسانوں کو جاڑا، گرمی، برسات، خزاں و بہار کے موسموں سے روشناس ہونے اور فوائد حاصل کرنے کے مواقع ملتے رہتے ہیں، کسی انسانی پارلیمنٹ اور اسمبلی کے کسی قانون کا تو وہاں کوئی گذر و اثر نہیں ہے، اسی طرح ہوا کے چلنے، اور بند ہو جانے بارش کے ہونے، اور نہ ہونے، دریاؤں کے آتار وچڑھاؤ، سمندروں کے مد وجزر میں کسی انسان کے قانون کو کیا دخل ہے؟ یہ سب تو آخر محض خالق کائنات ہی کے قانون کے ماتحت ہوتا رہتا ہے، کیونکہ خالق کا ان چیزوں کو خلق کرنا ہی اس امر کا مقتضی ہے کہ ان کی بقا اور افادیت کے طریق کار بھی اسی خالق کائنات کے قانون کے ماتحت ہوں، یہی وہ حقیقت صادقہ ہے، جس کی طرف لازوال اور عظیم الشان آسمانی کتاب میں بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ :-

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ　　سورج، چاند اور تارے تو اپنے

مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ۔ (اعراف ۷) | خالق کے حکم کے تابع ہیں ۔

اور جو قانون ان کے خالق نے ان پر نافذ کر دیا ہے، اسی کی پابندی کرتے ہوئے طلوع و غروب ہو کے مختلف مدارات سے مخلوق کو فائدہ پہنچاتے رہتے ہیں۔ کو پیدا کرنا بھی اسی ذات گرامی کی صفت ہے، اور "امر" بھی اسی خالق کے لئے زیبا ہے، اسی کی طرف قرآن پاک میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے کہ:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ (اعراف ۔ ع ۷) | ہوشیار ہو کر جاننا چاہیئے کہ جس کے اختیار میں خلق ہے (یعنی مخلوق کو پیدا کرنا ہے) اسی کے اختیار میں "امر" ہے (یعنی اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے احکام نافذ کرے) بابرکت ہے اللہ کی ذات جو سارے جہان کا پروردگار ہے ۔

پس اسی ایک ذات اقدس کے لئے مخلوق کا "خلق" بھی مخصوص ہے، اور اسی وجہ سے نفاذ قانون و حکم بھی اسی کے لئے زیبا ہے، کیونکہ اسی کی ذات بہت بلند و ارفع ہے، اور وہی سارے عالم کا رب ہے۔ اس لئے "خلق" اور "حکم" صرف اسی کا حق ہے اور یہ چیز کچھ شمس و قمر اور نجوم ہی تک محدود نہیں، کیونکہ وحی آسمانی میں ایک دوسری جگہ کہا گیا ہے ۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ | اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے لئے دریا

لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ	کو مسخر کر دیا۔ تاکہ اسی کے حکم سے دریا میں
وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ	کشتیاں چلیں، اور تاکہ تم اللہ کے فضل
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۞ وَ	(مال و متاع) کو (کشتیوں پر سوار ہو کر) تلاش
سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ	کرو۔ اور خدا کا شکر بجالاؤ (ایک
وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ	اسی پر کیا موقوف ہے) اس خالق نے
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ	تو آسمان اور زمین کی تمام چیزیں خالق نے
یَّتَفَكَّرُوْنَ ۞	اپنے فضل اور اختیار و اقتدار سے) تمہارے
(الجاثیہ ع ۲)	لئے مسخر کر دی ہیں (کیونکہ سب چیزیں اسی کی
	مخلوق ہیں اور اسی کے حکم کے ماتحت مسخر ہوئیں)
	ان تمام باتوں میں ان قوموں کے لئے جو تفکر
	کرتی ہیں، دلائل اور نشانیاں ہیں۔ (کر وہ
	سمجھیں کہ وہ سب تو اللہ ہی کی مخلوق ہیں تو
	پھر ان پر حکم بھی اللہ تعالیٰ ہی کا نافذ ہو سکتا ہے
	ان کی پوری زندگی اسی کے قانونی حدود کے
	اندر گذرنی چاہیئے۔)

اسی طرح ایک تیسری جگہ کہا گیا ہے کہ:۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ	کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے (تمہارے

مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً۔ لقمٰن ع ۳

نفع کے لئے، آسمان اور زمین کی تمام چیزوں کو اپنے قانون کے ماتحت تمھارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ اور تم پر بھی ظاہراً و باطناً نعمتوں کی بارش برسائی۔

ان ہی نعمتوں سے فائدہ اُٹھا کر اور کام لیکر انسان زندگی بسر کرتا ہے اور جب یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کا دیا ہوا ہے، تو پھر ان نعمتوں سے فائدہ اُٹھانے اور زندگی گذارنے کے متعلق قانون بنانے اور حکم چلانے کا کسی دوسرے کو کس طرح استحقاق حاصل ہو سکتا ہے۔

الغرض کائنات عالم کی تمام اشیاء کے متعلق قانون سازی اور تنفیذ قانون کا استحقاق جب ان کے خالق کو عقل و بصیرت کے نزدیک مسلم ہے، اور یہی بات آسمانی صحیفہ سے بھی ثابت ہے، تو پھر عقل انسانی کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ وہ اس امر کو بھی تسلیم کرے کہ انسانوں کی جماعتی اور انفرادی زندگی کے لئے واضع قانون اور حاکم صرف ان کا خالق ہی ہو سکتا ہے، اور کوئی نہیں،

ان دلائل اور بصیرتوں کے علاوہ انسان ایک دوسرے طور سے بھی غور کرتا ہے تو وہ اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے، مثلاً فرض کرو کہ کسی شخص نے ایک مکان بنایا جس میں متعدد کمرے اور برآمدے ہیں، ظاہر ہے

کہ اس مکان کی تیاری میں اس شخص کو عقل وفکر محنت ومشقت اور روپے صرف کرنے کے سوا اور کوئی دخل نہیں ہے، مکان کی زمین کی تخلیق میں اُسے دخل نہیں، مکان کے لوازمات کی تخلیق اور وجود سے اُسے کوئی لگاؤ نہیں، صرف ان موجودات کو جو خالق کی پیدا کی ہوئی ہیں، خاص ترکیب سے یکجا کر کے مکان تیار کرتا ہے۔ اب وہ شخص اپنی اس جانکاہی اور محنت ومشقت کی وجہ سے عقلاً اس امر کا مستحق سمجھا جاتا ہے کہ اپنے مکان کے استعمال وتصرف کے لئے جو اصول وضوابط مناسب سمجھے اوسے وضع کرے، اور اُس کو نافذ کرے، اور ہر عقلمند انسان اس کے اس استحقاق کو بلا چون وچرا جائز سمجھتا ہے، اور تسلیم کرتا ہے لیکن اس شخص کے محلہ والے یا گاؤں والے پنچائت کر کے اس مکان کے استعمال وتصرف کے لئے اصول وقواعد بنانے بیٹھ جائیں، اور یہ دعویٰ کریں کہ اس مکان کا استعمال وتصرف پنچایت کے قانون کے ماتحت ہوگا، تو تم محلہ کے لوگوں اور پنچایت والوں کو کیا کہوگے کہ یہ سب کے سب بد دماغ اور پاگل ہیں۔ اس مکان کی تیاری سے ان کو کوئی سروکار نہیں ہے، یہ لوگ کس استحقاق سے اس مکان کے لئے اصول وضع کرنے اور اس کے نفاذ کا دعویٰ کرتے ہیں، بس ٹھیک اسی طرح سمجھو کہ انسانوں کی تخلیق اور اُس کے جسم کی بناوٹ اور ان کے اندر ان کی خلقت کے مناسب عقل وشعور اور دیگر قوتوں کے پیدا کرنے میں

تو کسی کو کوئی دخل و اختیار نہیں ہے اور ان کی زندگی اور موت کسی انسان کی بخشی ہوئی نہیں ہے، بلکہ انسان اور انسان کی تمام قوتیں اسی خالق کی پیدا کی ہوئی ہیں، اس لئے وہی خالق اس امر کا استحقاق رکھتا ہے کہ انسان کی ذات اور قوتوں کے استعمال و تصرفات کے متعلق اصول وضع کرے اور اس کو نافذ کرے۔

اگر کوئی انسانی پنچائیت، پارلیمنٹ یا اسمبلی اس استحقاق کا دعویٰ کرے، تو کیا یہ دعویٰ تمہارے نزدیک باطل نہیں ہوگا؟ یقیناً تم ایسے مدعیوں کو اسی طرح بد دماغ اور پاگل سمجھو گے جس طرح تم اُن کو پاگل سمجھتے ہو، جو دوسرے کے بنائے ہوئے مکان کے متعلق اصول و ضوابط وضع کر رہے تھے۔

یہ سب باتیں ایسی کھلی کھلی نشانیاں اور دلائل ہیں جن سے تم اور ہر عقل والا آدمی صرف اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ بلاشبہ انسانوں کی زندگی کے لئے قانون کا واضع صرف خالق انسان اور خالق کائنات ہی ہو سکتا ہے اور ہے، اس کے سوا کسی کو اس کے لئے وضع قانون کا اصولاً کوئی اختیار نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے، اس لئے کہ خالق کائنات ہی وہ ہستی ہے جس میں وہ تمام صفات موجود ہیں جو واضع قانون میں ہونی چاہئیں، اور جن صفات کو واضع قانون کے لئے عقل و بصیرت نے دلائل کی روشنی

میں ضروری تسلیم کر لیا ہے۔

صفت علم کیونکہ اگر خالق علیم نہ ہوتا، تو وہ کائنات عالم اور خاصکر انسان کو کسی طرح پیدا کرتا؟ تم جانتے ہو، کہ انسان ایک مخلوق ہے، اور خالق کی پیدا کردہ قوتوں اور صلاحیتوں کے ذریعہ وہ بھی کچھ صناعی کر لیتا ہے، مگر جس صنعت اور کام کا اُسے علم نہیں ہوتا، اس کے کرنے سے وہ مجبور و عاجز ہے، اس سے ظاہر ہے کہ علم کے بغیر صنعت کا ظہور نہیں ہو سکتا، بس اسی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ خالق کائنات کو تمام مخلوقات اور اس کی تمام صفات اور صلاحیتوں کا پورا پورا علم ہو،

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو چیز تمھاری دست کاری اور صناعی کی پیداوار ہوتی ہے، تم اس کے مادہ اور اس کے صفات ظاہری و باطنی سے پورے طور پر واقف ہوتے ہو، مثلاً تم نے مکان بنایا، اور تم جانتے ہو کہ اس کی بنیاد میں تم نے کیا کیا چیزیں ڈالی ہیں، اینٹ کے روڑے ہیں یا پتھر کے بڑے، بنیاد میں لوہا بھی ہے یا نہیں، اور اگر ہے، تو کتنا ہے اور کیسا ہے، اسی طرح مکان کے ہر حصہ کے تمام اجزا اور ان کی صفتوں اور صلاحیتوں سے تم باخبر ہو، پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ خالق انسان، انسانوں کے تمام اجسام سے ترکیبی

اور صلاحیتوں سے بے خبر ہو؟ اس لئے خالق کائنات کا، کائنات
عالم کے ہر ذرہ کے ظاہر و باطن سے پوری طرح واقف ہونا ضروری
ہے، اور اگر خالقِ انسان، انسان کے دل و دماغ اور جو کچھ اس کے
اندر ہے، اور ہوتا رہتا ہے، اس سے واقف ہو تو یہ کوئی تعجب اور
حیرت کی بات نہیں ہے، خصوصاً جب تم یہ دیکھتے ہو کہ تم خالق کی عطا
کردہ قوتوں اور صلاحیتوں کی وجہ سے کوئی چیز بناتے ہو اور جب تک
اس سے کام لینا چاہتے ہو تو تم اس کی نگرانی اور دیکھ بھال کرتے رہتے
ہو کہ وہ کس حالت میں ہے، اوپر نیچے ظاہر و باطن ہر طرح اس کا ملاحظہ
کرتے رہتے ہو، تاکہ وہ چیز اس وقت سے پہلے بے کار یا فنا نہ ہو جائے
جس وقت تک تم اس کو باقی رکھ کر کام لینا چاہتے ہو۔ اور اس کی بقا
کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، تم تدبیر کر کے اسے مہیا کرتے ہو۔

صفتِ ربوبیت

اسی طرح سمجھو کہ جو خالق کائنات اور خالق
انسان ہے، وہ بھی مخلوقات کے ظاہر اور اسکے
باطن کی ہر وقت نگرانی کرتا ہے، اور جس وقت تک کے لئے اس مخلوق
کو پیدا کرتا ہے، اس وقت تک جن چیزوں کی ضرورت اس کی بقا کے لئے
ہے، وہ مہیا کرتا رہتا ہے، اور ہر مخلوق کی ذات اور اس کے اجزائے
ظاہری و باطنی اور اس کی تمام صفات کو دیکھتا بھالتا ہے، یہاں تک کہ

انسانوں کے دل و دماغ کے ارادے اور خیالات، اور اس کے
اثرات کو بھی دیکھتا ہے، اور جب تک جس انسان کو جس حالت کے
ساتھ باقی رکھنا اُسے منظور رہے، اس کی تدبیر کرتا ہے، کیونکہ خالق کی
خالقیت کا یہی اقتضاء ہے، بس جو خالق ہے وہی رَبّ ہے، اور
وہ علیم بھی ہے، یہانتک کہ انسانوں کے دلوں کے اندر چھپی ہوئی بات
کو بھی جس کو دوسرے انسان بغیر بتائے ہوئے نہیں جان سکتے ہیں،
وہ خالق جانتا ہے، اگر کوئی شخص اس حقیقت کا انکار کرے تو
تم اُس شخص کو اس طرح احمق اور بے وقوف سمجھو گے، جس طرح تم
اس شخص کو احمق اور بے وقوف سمجھتے ہو، جو تمھاری گھڑی کے
متعلق، جو تمھاری جیب میں ہے، اور تمھاری بنائی ہوئی ہے،
اور جس کے پرزوں، حرکت اور آواز وغیرہ سے تمہیں پوری
طرح واقفیت ہے، یہ کہے کہ ہاں گھڑی تو تمھاری بنائی ہوئی ہے
لیکن اس کے پرزوں کی تفصیلات سے واقفیت اور اس کی
حرکت کو دیکھنا اور اُس کی آواز کا سننا تمھاری طاقت اور بس
سے باہر ہے، ظاہر ہے کہ ایسا کہنا غلط ہوگا، اور ایسے شخص کو
ساری دنیا ناسمجھ کے سوا اور کیا کہے گی ؟

صفتِ سماعت | اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ خالق کائنات

سمیع بھی ہے، وہ ہر ہلکی سے ہلکی آواز کو سنتا ہے اور سن سکتا ہے، اسکی
اس صفت کو تم اس دلیل سے بھی بآسانی سمجھ سکتے ہو کہ خالق کائنات
نے لاکھوں کروڑوں قسم کی جاندار اور مختلف بولیاں بولنے والی مخلوق
پیدا کی ہے، جو بھانت بھانت کی بولیاں، پست سے پست اور بلند
سے بلند آواز میں بولتی ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ ان کا خالق اُن کی
آوازوں کو سنتا بھی ہو، اور سنتا رہے، تاکہ اس کو علم ہوتا رہے، کہ
جس جاندار کو جس قسم کی بولی اور جس آواز سے بولنے کی قوت دی ہے،
وہ اسی طرح باقی ہے یا نہیں، کیونکہ بولیوں کے باہمی امتیاز اور ان کے
مراتب کے فرق کو جاننا، کیا بغیر سنے ہوئے ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیا تم
نہیں دیکھتے کہ جو انسان بالکل بہرا ہو، وہ کچھ نہیں جان سکتا، کہ کس
طرف سے کیا آواز آتی ہے، اور کون کیا بول رہا ہے، پھر آوازوں میں
امتیاز اور فرق کو کس طرح سمجھ سکتا ہے، پس اگر خالق کائنات آوازوں
کو سن نہیں سکتا تو کس طرح جان سکتا ہے کہ جس مخلوق میں جو آواز جس قسم اور جس
درجہ کی دی گئی ہے، اسی طرح کی ہوئی بھی، اور موجود بھی ہے یا نہیں، کیا تم
ایک ایسے شخص سے جو نِرا بہرا ہو اور تن تنہا ہو، یہ امید رکھتے ہو کہ کوئی
ایسی گھڑی بنائے جس میں ایک خاص قسم اور خاص انداز کی باج
ہو، ہرگز نہیں، وہ تو آواز کے اندازہ کے لئے بھی دوسرے کا محتاج

ہوگا خود اندازہ نہیں کر سکتا، پس اگر خالق کائنات بذات خود سمیع نہ ہو تو وہ اپنی مخلوق کے لئے آواز کی تخلیق میں دوسرے کا محتاج ہوگا پھر وہ خالق ہی کب ہوگا، وہ تو خود ایک مخلوق ہو جائیگا، اس لئے خالق کائنات کا سمیع ہونا بھی ضروری ہے، اور انسانی عقل و بصیرت اس حقیقت کے تسلیم پر مجبور ہے، پس اگر یہ کہا جائے کہ خالق کائنات سمندر کی تہہ میں چھوٹی سے چھوٹی مچھلیوں کی حرکت اور آواز کو سنتا ہے، گھاٹیوں اور غاروں میں چیونٹیوں کی بولیوں اور ان کے پیروں کی آواز تک سنتا ہے، تو اس پر کسی کو تعجب کیوں ہو، اور کسی کو انکار کی کیا وجہ ہو سکتی ہے سوا اس کے کہ وہ بالکل نا سمجھ ہو، یا پھر محض معاند اور بغیر علم و بصیرت کے بحث کرنے والا ہو، جس کے لئے دنیا میں نہ کوئی قدر و قیمت ہے، اور نہ کوئی اعتبار ہے۔

صفتِ کلام

اسی طرح خالق کائنات کے اندر یہ صفت بھی ضروری ہے کہ وہ بات چیت کر سکے، کلام کر سکے، کیونکہ خالق نے جو چیز بھی بنائی ہے، وہ تو اسلئے ہے کہ اس کو جس کام میں لگانا چاہے اور جو کام اس کے سپرد کرے اس کام کو اس کی مخلوق اس کے کہنے اور بتانے کے مطابق انجام دے،

پس اگر خالق کے اندر صفت کلام نہ ہو، اور وہ کوئی بات ہی نہ

کر سکے تو کسی مخلوق کو خالق کی کوئی بات ہی نہیں معلوم ہو سکتی، اور نہ وہ اس کام کو انجام دے سکتی ہے جو اس کی مخلوقیت سے وابستہ ہے، اس لئے ضروری ہے کہ خالق کائنات میں صفت کلام بھی ہو۔ تاکہ اس کی ہدایت جو ہر مخلوق کے لئے جدا جدا ہے، ہر ایک کو پہنچ سکے، اور ہر مخلوق اپنی اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق خالق کی ہدایت کو پا سکے۔

لیکن خالق کے کلام کرنے اور بات کرنے سے یہ نہ سمجھو کہ اس کو تمہاری طرح گوشت کی زبان ہے جس کو خاص طرح کی حرکت دیتے ہو، اور تمہاری طرح گلے کی نالیوں کی ضرورت ہے، نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے، کلام کرنے کے یہ مادی طریقے تو خالق نے انسانوں اور جانوروں کے لئے بتائے ہیں، وہ تو خود جسم و مادہ سے پاک و صاف ہے، اس کے کلام کرنے کے لئے کسی آلہ کی ضرورت نہیں وہ بغیر زبان اور آلہ کے کلام کرتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ گراموفون جو خالق ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے انسانوں نے بنایا ہے، جس سے تم بات چیت اور گانے کی آواز سنتے ہو، حالانکہ تم دیکھتے ہو کہ گراموفون میں نہ زبان ہے اور نہ انسانوں کی طرح گلے کی نالیاں، پس جب ایک مخلوق میں بغیر زبان اور گلے کی نالیوں کے

کلام کی صفت پائی جاتی ہے، اگرچہ محدود طریقہ پر سہی، تو پھر اگر خالق کی ذات میں بھی زبان و آلہ کے بغیر کلام کی صفت پائی جاتی ہے، تو اس پر تعجب و حیرت کی کیا بات ہے؟ خاص کر جبکہ خالق کی خالقیت و ربوبیت اس امر کی مقتضی ہے کہ وہ کلام کرے۔ جیسا کہ تم اوپر معلوم کر چکے ہو۔

اب رہی یہ بات کہ خالق کا کلام انسانوں تک کس کس طرح پہنچتا ہے، تو کسی انسان کو براہ راست وہ اپنی بات سناتا ہے، کسی کے دل میں وہ اپنی بات ڈال دیتا ہے، جو وہ دل کے کان سے سن لیتا ہے، یا کوئی اور طریقہ ہوتا ہے، یا ہو سکتا ہے، یہ ایک ضمنی بحث ہے، جس کے ذکر کا یہ موقع نہیں ہے، مگر اتنی بات تو تم یقیناً سمجھ سکتے ہو کہ یہ سب طریقے ہو سکتے ہیں، ان میں کوئی ایسی بات نہیں ہے، جو عقل کے خلاف ہو، بلکہ عقل انسانی ان سب کو درست سمجھتی ہے۔

کیا تم یہ نہیں دیکھتے ہو کہ تم خود اپنی بات کسی کو براہ راست اس طرح سنا دیتے ہو کہ وہ خود اپنے کان سے تمھاری بات سن لیتا ہے اور کبھی اپنی بات کسی اور ذریعہ سے دوسرے شخص تک پہنچا دیتے ہو، اور کبھی ایسا بھی کرتے ہو کہ تم کچھ اشارات کے ذریعہ اپنی بات اس تک پہنچاتے ہو، وہ اپنے دل میں تمھاری بات کو سمجھ جاتا ہے، مگر دوسروں کو کچھ خبر بھی نہیں ہوتی، اسی طرح اگر خالق کائنات کے احکامات اس کی مخلوق تک مختلف طریقوں سے

ہو سمجھتے ہیں تو اس میں کسی کو شک و شبہ کرنے کی کیا وجہ ہے :

تدبیر اور ارادہ

اسی طرح خالق کائنات کا ذی ارادہ اور صاحب تدبیر ہونا بھی ظاہر ہے کہ آسمان سے زمین تک جتنی چیزیں ہیں، ہر چیز کا مختلف ہونا، اور ہر ایک کا جدا جدا کام ہونا، بغیر اس کے ناممکن ہے کہ خالق کائنات میں کامل مشیت و ارادہ اور کامل قوت تدبیر ہو :
کیا تم نہیں دیکھتے کہ آسمان و زمین، جنگل و سمندر، آفتاب و ماہتاب سب موجود ہیں، مگر تم دیکھتے ہو کہ برسات کے موسم میں بارش کبھی زیادہ ہوتی ہے اور کبھی کم، اور کبھی اس قدر کم ہوتی ہے کہ دنیا چیخ اٹھتی ہے، درخت سوکھ جاتے ہیں، کھیتیاں جھلس جاتی ہیں، جانور و آدمی پیاسے مرنے لگتے ہیں، یہ سب اسی خالق کے ارادہ اور مشیت سے ہوتا ہے، کیونکہ اگر بارش محض سمندر، اور جنگل و زمین کی تری اور آفتاب کی حرارت کا ایسا ثمرہ ہوتا جس میں خالق کائنات کے ارادہ و تدبیر کو دخل نہ ہو تو بارش میں کمی بیشی نہ ہوتی اور ہمیشہ ایک ہی طریقہ سے بارش ہوا کرتی، کیونکہ مادی چیزیں سمندر، جنگل، آفتاب اپنی خصوصیات کے ساتھ موجود ہیں، اگر بارش ان کی تاثیرات ذاتی کا نتیجہ ہوتی، تو بارش میں اس قدر زیادتی اور کمی نہ ہوتی، اس سے ظاہر ہے کہ کوئی ایسی ذی ارادہ اور صاحب تدبیر ذات ہے، جس کے اقتدار و قدرت میں ہے کہ جس وقت چاہے بارش برسائے، اور جب چاہے بارش کو روک دے کیونکہ بارش

کے معاملہ میں کسی انسان کو کوئی دخل نہیں ہے، جانوروں کو کوئی دخل
نہیں ہے، اگر انھیں کوئی دخل ہوتا، اور بارش ان کے قبضہ و اختیار
کی چیز ہوتی، تو یہ سب کبھی قحط کی مصیبت نہیں آنے دیتے کہ قحط سالی
سے سب سے زیادہ مصیبت تو انسان اور جانوروں ہی کی جان پر پڑتی
ہے، ان کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں۔ ان میں تو اور بھی صلاحیت نہیں
ہے کہ وہ بارش پر کوئی قدرت پا سکیں، انسان خالق کی دی ہوئی عقل
و فکر کی طاقت سے آگ و پانی کو بھاپ بنا کر ہوا میں اڑائے اور
پھر اس کو ٹھنڈا کر کے کسی حصۂ زمین پر پانی کی طرح گرا بھی دے،
اور خالق کی بارش سے صورت میں کچھ مشابہ بھی ہو جائے، تو اس کی تاثیر
وہ نہیں ہو سکتی، جو خالق کے برسائے ہوئے پانی کی ہوتی ہے، اور
نہ اس سے وہ فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، جو خالق کی برسائی ہوئی بارش
سے حاصل ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ تو ایک مصنوعی اور نقلی بارش ہو گی، اور
تم جانتے ہو کہ اصل اور نقل میں کتنا بڑا فرق ہوتا ہے، یہی وجہ ہے
کہ آج اس زمانے میں بھی جبکہ سائنس و فلسفہ کے علوم کا بہت زور ہے،
تمام دنیا کے عقلاء اور سائنس داں پانی کا ایک قطرہ بھی اس طرح کا نہیں
برسا سکتے جیسا خالق برساتا ہے، پانی کا برسانا تو بڑی بات ہے، تمام
سائنس داں اس امر سے بھی عاجز ہیں کہ بارش کے موسم میں ہوا اور بادل اور

بدلیوں کو دیکھ کر یقین کے ساتھ یہ بھی کہہ سکیں کہ بارش کہاں ہوگی، کہاں نہ ہوگی، اور کتنی ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ خالق کی پیدا کی ہوئی ہواؤں اور بدلیوں کو دیکھتے دیکھتے انسانوں کو کچھ تجربہ ہو جاتا ہے اور اس سے کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے، اور اس اندازہ پر کچھ رائے قائم کر کے بارش برسنے سے پہلے کچھ بتایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس طرح کی باتیں گاؤں کے کاشتکار بھی بتاتے ہیں، اور سائنسداں بھی اپنے ایجاد کردہ آلہ کے ذریعہ اندازہ کر کے بتاتے ہیں، مگر تم دیکھتے ہو کہ ان کی قائم کی ہوئی رائے اور بتایا ہوا اندازہ غلط ہو جاتا ہے، یہ کیوں غلط ہوتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ہواؤں کے رُخ اور بدلیوں کی صورتوں کو دیکھکر اٹکل سے ایک بات کہتے ہیں، انھیں تو علم نہیں کہ خالق کائنات کا کیا ارادہ ہے وہ ہواؤں کا رُخ کس وقت کس طرح پھیرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اور انھیں اس کی بھی خبر نہیں کہ اس کا قصد ان بدلیوں سے پانی برسانے کا ہے بھی یا نہیں اور اگر وہ برسائیگا تو کس زمین پر برسائے گا۔ اور نہ لوگوں کو اس کا علم ہوتا ہے کہ وہ کس تدبیر و حکمت کے ماتحت ہواؤں اور بدلیوں کو پہلے ایک سمت چلاتا اور اوڑاتا ہے، پھر کچھ دیر کے بعد دوسری طرف پھیر دیتا ہے، اسی وجہ سے تمام انسانوں کے تخمینے اور اندازہ کی باتیں عموماً غلط ہوتی رہتی ہیں، اور کبھی سچ ہو جاتی ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ

اتفاق ایسا ہو جاتا ہے کہ خالق کائنات نے ہواؤں اور بدلیوں کو جس
رُخ پر چلایا تھا اور جس کو دیکھ کر انسانوں نے اندازہ کیا تھا
اس رُخ اور سمت میں پانی برسانے کا خالق کائنات کا ارادہ تھا، اسلئے
ہوا اور بدلی کا رخ نہ بدلا اور بارش ہو گئی تو اس میں بھی انسان یا کسی
مادی چیز کو دخل نہیں۔ یہ بھی خالق کے ارادہ اور اس کی تدبیر کے
ماتحت ہوا۔

اگر تم صرف انسان کے اعضاء اور ان کے فطری کاموں کو دیکھو، تو
تمھیں معلوم ہو گا کہ ان سب کے کاموں کے اندر خالق کے ارادہ و تدبیر
ہی کو دخل ہے اور انسان، عقل و دانش کے باوجود ان کے فطری کاموں
میں بالکل عاجز ہے۔

خالق نے کان میں سننے، آنکھ میں دیکھنے اور ناک میں سونگھنے کی
طاقت اپنے ارادہ اور حکمت سے رکھی ہے، دنیا کی کوئی طاقت نہیں
کہ ان اعضاء کے فرائض میں کچھ رد و بدل کر دے، کان سے دیکھنے
اور آنکھ سے سُننے کا کام نہیں لے سکتا۔

پھر دیکھو، گلے کی نالیاں ہیں جن کے ذریعہ انسان کے منہ سے آواز
نکلتی ہے، چند انچ کی نالیاں ہیں، علم التشریحات کے جاننے
والوں سے پوچھو، جنھوں نے انسانوں کے جسم اور اس کے تمام

اعضا کو ہزاروں بار چیر پھاڑ کر دیکھا ہے اور سرجری کی بڑی بڑی کتابیں لکھ ڈالی ہیں، وہ ان کی لمبائی، چوڑائی، موٹائی، گہرائی سب کو بتائیں گے۔ اس میں جو مرض پیدا ہوگا وہ بھی بتائیں گے، اس کا علاج بھی کریں گے، مگر وہ اس امر کے بتانے سے عاجز ہیں کہ ایک انسان کی آواز، دوسرے انسان کی آواز سے، مرد کی آواز، عورت کی آواز سے پھر ہر مرد و بچے کی آواز، دوسرے مرد و بچے کی آواز سے اور ہر عورت اور بچیوں کی آواز، دوسری عورت اور بچیوں کی آواز سے کیوں مختلف ہے، کوئی ایک آواز، دوسری آواز سے کبھی نہیں ملتی، اس چند انچ کے اندر خالق نے اپنے ارادہ سے کیسی کیسی تدبیر کی ہے کہ اسی چند انچ کی نالیوں سے اربوں قسم کی آواز نکلتی ہے، اور کوئی ایک دوسرے سے نہیں ملتی۔

اس کی وجہ تم سوچو اور دنیا کے تمام عقلا سے پوچھو، اس کی وجہ صرف یہی کہی جا سکتی ہے کہ آوازوں کے امتیاز اور عدم اشتباہ میں صرف خالق کے ارادہ اور تدبیر کو دخل ہے، اس کے سوا کوئی دوسری وجہ نہیں ہو سکتی ہے۔

اگر نباتات کے پتوں اور پھولوں کو دیکھو تو تمھیں نظر آئیگا کہ ایک ہی پھول کے درخت کی ہر ایک پتی اور پھول میں مختلف رنگ، مختلف نقش

ونگار ہیں، جن کو دیکھ کر تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈک اور لذت محسوس ہوتی ہے، اور دل میں مسرور ہوتے ہو۔ مگر یہ تو سوچو کہ پودا ایک، زمین ایک، زمین کی کھاد اور آب وہوا ایک، اس وحدت اور یکجہتی کے باوجود مختلف رنگ اور مختلف نقش ونگار کس طرح پیدا ہو گئے، مادیات جن سے پودوں کو غذا ملتی ہے، اور جن سے وہ پرورش پاتے ہیں۔ ان میں نہ ارادہ ہے نہ شعور ہے کہ کچھ بھی کر سکیں چہ جائیکہ اس حسن ترتیب وحسن صنعت کے ساتھ کسی کام کو انجام دے سکیں۔ پھر نیلے، پیلے اودے، سُرخ اور گلابی رنگ ایک خاص تناسب سے ہری ہری ڈالیوں کی پتیوں اور کلیوں میں کس طرح پیدا ہو گئے؟ ان سوالات کا جواب تم یا کوئی دوسرا دانش مند کیا دے سکتا ہے، سوا اس کے کہ وہ یہ کہے کہ خالق کائنات کی قدرت کی یہ صناعی ہے جس نے اپنے ارادہ اور حسن تدبیر سے پتیوں، پھولوں اور کلیوں میں یہ تمام گلکاریاں کی ہیں۔

انعام واکرام جب خالق کائنات کی ذات میں یہ سب کمالات ہیں، اور یہ سب مخلوقات اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور وہی ان سب کی تربیت کرتا ہے، اور جسے جس وقت تک کیلئے اس نے بنایا ہے، وہ باقی رہتی ہیں اور جتنی چیزیں کہ عالم

میں موجود ہیں، ان سے انسان شب و روز فائدہ اٹھاتا ہے، تو کیا خالق
کائنات کا یہ فضل و کرم کچھ کم ہے کہ اس نے انسان کے فائدہ کے لئے
اور اس کی مادی زندگی کی بقا اور ترقی کے لئے بے شمار چیزیں پیدا
کیں اور ہمیشہ پیدا کرتا رہتا ہے، سواری باربرداری اور ہل چلانے
کے لئے بیل، بھینسا، اونٹ، گھوڑے، ہاتھی اسی خالق نے تو پیدا
کئے ہیں، سوچو تو سہی کہ اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں تو انسان کی زندگی کیسی
دو بھر ہوتی؟ انسان کے باغوں اور کھیتوں کو سرسبز رکھنے کے لئے وہی
خالق تو بارش برساتا ہے۔ جس سے انسان کی زندگی قائم ہے، اور اسی
کے ذریعہ دولت انسانی بھی بڑھتی ہے۔ پھر عورت اور مرد کی مقاربت
سے اولاد ہونا بھی تو اسی کی قدرت کا ایک کرشمہ ہے، اور یہ بھی اسی
کے فضل و کرم سے ہوتا ہے۔

پس جب یہ واقعات و حالات ہیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ خالق
کائنات کے قوانین و احکام اور ہدایات پر انسان عمل کرے، تو اس دنیاوی
زندگی میں اس پر خالق کے مزید فضل و کرم کے انعاموں کی بارش
نہیں ہو سکتی ہے؟ جو خالق انسان کو ایک مدت تک باقی رکھنے کے لئے
اس قدر فضل و احسان کر سکتا ہے، وہ اس قسم کی مزید چیزیں بطور انعام
و بخشش بھی تو دے سکتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب تم اس کی صلاحیت

رکھتے ہو کہ کسی آدمی کو نوکر رکھ کر کام لو اور مشاہرہ دیتے رہو، تو اس سے یہ امر بھی ظاہر ہے کہ تم میں اس کی بھی صلاحیت ہے کہ اگر وہ نوکر نہایت وفاداری سے کام کرتا رہے تو تم اس کو انعام و بخشش میں بھی کوئی رقم اور کوئی چیز دے سکتے ہو۔

پس جب یہ بات ہے تو پھر اس امر کے تسلیم کرنے پر کسی کو تعجب کیوں ہو، کہ خالق کائنات اس امر پر قدرت تامہ رکھتا ہے کہ وہ اپنے وفاداروں پر انعام واکرام کی بارش کرے۔ تم تو پھر بھی مجبور ہو کہ خالق کائنات کی دی ہوئی چیزوں ہی میں سے دے سکتے ہو، لیکن خالق کے قبضہ میں تو ساری کائنات عالم ہے، وہ تو کسی کا محتاج نہیں، وہ تو بدرجہ اولیٰ دے سکتا ہے، بلکہ وہ تو ایسے ایسے انعام واکرام کر سکتا ہے جس کو انسانوں نے نہ دیکھا ہو اور نہ سنا ہو، کیا تم نے نہیں دیکھتے کہ خالق کائنات کے خزانہ سے آج تک کیسی کیسی نئی نئی چیزیں برآمد ہو رہی ہیں، جن سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے؟

پس اگر خالق کائنات واضع قوانین ہو اور قوانین کی پابندی پر کوئی انعام مقرر کرے تو یہ اس کی خالقیت کے شایان شان ہوگا، اور وہ اس کو یقیناً پورا بھی کر سکتا ہے، اس کے اختیار اور قدرت میں یہ بات موجود ہے کہ انسانوں کے لئے قوانین کی پابندی پر انعامات مقرر کرے، اور انہیں اس میدان میں ترقی کرنے کا موقع دے، تاکہ ہر عقلمند اور حوصلہ مند انسان کے لئے

قانون کی ناگواری خوشگواری سے بدلی جائے۔

تعزیر و تعذیب

اسی طرح خالق کائنات کو اس امر پر بھی قدرت ہے کہ اپنے قوانین اور احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں کو اس دنیا میں بھی سخت سے سخت سزائیں دے، اور کوئی ایسی طاقت نہیں ہے کہ اگر خالق کائنات اپنے مجرموں کو سزا دینا چاہے تو اُسے روک سکے، کیونکہ تم جانتے ہو کہ انسان کی اپنی زندگی اور زندگی کے تمام لوازمات اور ضروریات تو خالق کائنات ہی کے قبضہ و اقتدار میں ہیں، اس لئے کہ یہ سب چیزیں اوسی کی مخلوق ہیں، یا اسی کی بنائی ہوئی چیزوں سے بنائی گئی ہیں، اسی وجہ سے خالق اس امر پر بھی قادر ہے کہ اپنی مخلوق میں جس قسم کا تصرف چاہے کر سکتا ہے اور انہیں تصرفات کے ذریعہ اسی مادی زندگی میں انسان کو مصیبت میں مبتلا کر سکتا ہے، بلکہ ہلاک کر سکتا ہے، اگر چاہے تو دنیا کے کسی حصہ کے مجرموں کو سزا دینے کے لئے زمین کو حکم دے کہ تو متحرک ہو کر بھونچال پیدا کر دے، تاکہ مجرموں کے تمام ساز و سامانِ زندگی تہ و بالا ہو جائیں وہ خود اپنے بنائے ہوئے مکانوں میں دب کر مر جائیں، ان کے آرام کا کمرہ قبرستان کا نمونہ بن جائے، تو یہ ہو سکتا ہے اور کوئی طاقت خالق کے اس غضب کی مزاحمت نہیں کر سکتی۔ تم جانتے ہو، اور دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کسی خطہ دنیا میں قوموں کی سرکشی اور قوانینِ خالق کی خلاف ورزی حد سے

متجاوز ہوگئی تو بارہا خالق کائنات نے ان مجرموں کو اسی طرح سزائیں دی ہیں، قوم ثمود کی سرکشیاں اور قوانین خالق کی خلاف ورزیاں حد سے گذر گئیں تو آخر انہیں اسی دنیا میں اس طرح ناقابل فراموش سزا دی گئی جو رہتی دنیا تک یاد رہیگی، تاکہ باقی ماندہ انسان خالق کی اس تعذیبی و تخریبی قدرت تامہ کو ہمیشہ یاد رکھیں اور خالق کے کسی حکم کی خلاف ورزی کا تصور بھی نہ کریں۔

دنیا کے بعض مدعیان عقل و دانش زلزلہ اور بھونچال کو محض اتفاقی واقعہ یا محض بعض مادی تغیرات اور مادی اسباب کو اس کی وجہ قرار دیتے ہیں، مگر جب ان سے مادی تغیرات و اسباب کی علت العلل کو پوچھو اور پوری طرح مستعد کرکے آخری علت دریافت کرلو، تو انہیں تسلیم کرنا پڑیگا کہ کوئی بہت بڑی طاقت ہے جس نے یہ سب کچھ کیا ہے، اور وہ بڑی طاقت کیا ہے؟ وہ خالق کائنات کی ذات لازوال ہے۔

الغرض کائنات ارضی و سماوی کی ہر چیز جس کی افادیت کے ساتھ انسانوں کی زندگی وابستہ ہے، جب خالق کائنات کی قدرت تامہ کا کرشمہ ہے اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، تو ہر معمولی عقل کا انسان سمجھ سکتا ہے کہ وہ ان چیزوں کی افادیت کو جب چاہے اپنی قدرت و اختیار سے روک کر، انسانوں کو مصیبت میں مبتلا کرسکتا ہے، بلکہ ہلاک کرسکتا ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب خود انسان خالق کی پیدا کردہ چیزوں کو لیکر

کوئی عمارت، قلعہ، مشین بنا سکتا ہے، اور بناتا ہے، اور اپنی بنائی ہوئی عمارت قلعہ اور مشین میں تصرفات کر کے اس کی افادیت کو روک سکتا ہے، بلکہ اس کو بالکل تباہ و برباد بھی کر سکتا ہے تو ٹھیک اسی طرح سمجھو کہ خالق کائنات بھی اپنی مخلوقات ارضی و سماوی میں تصرفات کر کے اس کی افادیت کو روک کر، انسانوں کو ان کی برکات سے محروم کر سکتا ہے، زمین کے کسی حصہ میں زلزلہ اور بھونچال پیدا کر کے انسان اور انسان کی بنائی ہوئی چیزوں کو تباہ و برباد کر سکتا ہے، اور یہ ایسی تعذیب و تعزیر ہے جس سے کوئی انسان اپنی انتہائی دانائی کے باوجود اپنی تدبیر و کسی ذریعہ بچ نہیں سکتا۔

اور چونکہ خالق کائنات اپنے تمام کمالات جمالی و جلالی کے ساتھ حکیم بھی ہے جس کی انتہائی حکمت پر کائنات کا ہر ذرہ شاہد ہے، وہ اپنی حکمت تامہ سے انسانوں کے جزائے اعمال کے لئے ایک ساعت، ایک وقت، ایک دن، ایسا مقرر کر سکتا ہے جس میں خالق کائنات ان لوگوں پر جنہوں نے اس کے وضع کردہ قوانین کا پورا پورا احترام قائم رکھا ہو، اور اپنی زندگی ان قوانین کی پابندی میں گذاری ہو، بیش از بیش انعام و اکرام کرے، اور ان کو ایسی جگہ عطا فرمائے، جہاں اُن کی خواہش کے مطابق ہر قسم کی نعمتیں موجود ہوں، اور وہ تمام نعمتیں اُن کے سامنے بغیر کسی کلفت اور جد و جہد کے حاضر ہوں، جہاں وہ لوگ یہ محسوس کریں کہ خالق کائنات کے قوانین کی پابندی کی وجہ سے ایک

زمانہ تک ہماری حریت و آزادی ایک حد تک محدود رہی آج اسی کا صلہ
ہے کہ ہمیں حریت کاملہ اور آزادی مطلق بغیر کسی ادنیٰ پابندی کے حاصل
ہے، اور ہر قسم کی آسائش و راحت کی تمام بہترین چیزیں خود بخود بغیر کسی
جدوجہد کے موجود ہیں۔ اسی کے ساتھ انہیں یہ بھی حق حاصل ہے کہ ہمیشہ
اسی طرح آزاد زندگی آسائش و آرام کے ساتھ بسر کرتے رہیں گے، تو
یہ امر خالق کائنات کی قدرت کے اندر ہے۔ اور عقل سلیم اس سے انکار
نہیں کر سکتی۔

اسی طرح اسی ساعت، اسی وقت، اسی دن میں خالق کائنات اُن
لوگوں کو جنہوں نے اس کے وضع کردہ قوانین کو تسلیم نہ کیا ہو، یا اسی کے
قوانین کو کُلاً یا جزءً پامال کیا ہو، اور اس کی خلاف ورزی کی ہو، ایسی
جگہ رکھ سکتا ہے جہاں ہر لمحہ مصیبت ہی مصیبت ہو، خوفناک مناظر ہوں،
ہر طرف آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں، انسان موٹے موٹے لوہے کی زنجیروں میں
جکڑے ہوئے اس دہکتی ہوئی آگ میں بے بس پڑے ہوں۔ الغرض انواع
و اقسام کے دردناک عذابوں کا سامنا ہو، تو یہ بھی خالق کی قدرت میں ہے،
اور کوئی عقل سلیم اس کا انکار بھی نہیں کر سکتی، کیونکہ جو ذات اس امر پر
قادر ہے کہ اس نے اتنا بڑا عظیم الشان عالم پیدا کیا، جس کو ہم اپنی آنکھوں
سے دیکھ رہے ہیں، وہ اس امر پر بھی قادر ہے کہ وہ ایسا عالم بھی پیدا کرے

جس کا ذکر سطور بالا میں کیا گیا ہے۔

بلکہ انسانی عقل و بصیرت کی رہنمائی تو یہ ہے کہ خالق کائنات کی حکمت تامہ کا اقتضا یہی ہے کہ وہ انسانوں کے لئے دار النعیم اور دار العذاب ضرور بنائے اور انسانوں کو ان دونوں مقامات سے خبردار کردے تاکہ عقل و ہوش والے انسانوں کو دار النعیم اور دار العذاب کا یقین خالق کائنات کے قوانین و احکام کی پابندی پر ہمیشہ برانگیختہ کرتا ہے اور کوئی انسان کسی انسان کی اذیت کو تباہ و برباد کرنے کی ہمت و جرأت نہ کر سکے۔

الغرض خالق کائنات جو واضع قانون ہے اور وہی ہو سکتا ہے اس میں اکرام و تنعیم کے ساتھ تعزیر و تعذیب کی قدرت اور اس کے ساز و سامان پر اقتدار تام ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ اگر یہ صفت نہ ہو تو اس کے قوانین کے احترام کے لئے کوئی ذریعہ انسانی دل و دماغ میں نہیں پایا جائیگا۔ اس لئے اس صفت کا بدرجہ اتم ہونا بھی خالق میں ضروری ہے۔ اور انسانی بصیرت اس امر پر مجبور ہے کہ خالق کائنات میں اس صفت کو تسلیم کرے۔

وحدت خالق

اسی طرح خالق کائنات جو حقیقۃً واضع قانون ہے اس کا واحد ہونا بھی ضروری ہے۔

اولاً:۔ اس لئے کہ انسانی عقل جن ضرورتوں کی بنا پر مخلوقات اور انسانوں سے ماوراء کسی ہستی کا واضع قانون ہونا تسلیم کرتی ہے وہ ضرورتیں صرف ایک ہی

ذات سے پوری ہو سکتی ہیں، اور جب ایک سے پوری ہو سکتی ہیں تو اس صورت میں دوسری ہستی کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی، اور جب دوسری کی ضرورت نہیں رہی، تو اُن کا وجود بھی لغو و بے فائدہ ہوگا۔ پس خالق کائنات عالم صرف ایک ہی ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔

ثانیاً:۔ اگر خالق کائنات عالم ایک ذات سے زیادہ تسلیم کیا جائے، تو اس کی چند صورتیں فرض کی جا سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مخلوقات عالم کی ہر صنف و نوع کا خالق جدا جدا ہو یعنی آسمان کا خالق ایک ذات ہو، زمین کا خالق دوسری ذات، اسی طرح حیوانات کا خالق کوئی اور ہو۔ اور انسانوں کا خالق کوئی اور ہو، اگر یہ صورت فرض کی جائے، تو اس صورت میں ہر خالق کو اپنی اپنی مخلوقات کے متعلق قانون وضع کرنے اور اپنی اپنی مخلوق پر تصرف کا حق حاصل ہوگا۔ یعنی ہر خالق کی مملکت حکمرانی صرف اپنی مخلوق تک محدود ہوگی۔ کیونکہ خالق کے وصف خالقیت کا اقتضاء ہے کہ اسی کو استحقاق وضع قانون ہو، اور چونکہ ہر خالق کی مخلوق ایک علیحدہ صنف ہے، اس لئے وہ صرف اپنی مخلوق کے لئے قانون بنا سکتا ہے، اور اس میں تصرف کر سکتا ہے نہ کہ دوسرے خالق کی مخلوقات میں۔ جس طرح ایک انسان کے بنائے ہوئے لباس و مکان کے متعلق کسی دوسرے انسان کو تصرف کرنے اور ہدایت دینے کا حق نہیں ہے۔

پس اگر ایسے متعدد خالق فرض کئے جائیں تو انسانی مدنیت اور انسانی زندگی

کی استواری کے لئے ضروری ہے کہ اس کا خالق انسانوں کے لئے ایسے قوانین وضع کرے، جن سے زمین اور اس کی پیداوار پر انسانی حقوق ملکیت و تصرفات کی حدود متعین ہوں، تاکہ ہر انسان اپنی ملکیت میں اپنے خالق کے قوانین کے مطابق تصرف کرسکے، اور دوسرے کی حدود ملکیت میں دخل نہ دے۔ لیکن صورت مفروضہ میں زمین اور جو کچھ زمین کے اندر ہے۔ وہ دوسرے خالق کی مخلوق اور اس کی حدود ملکیت میں ہے، پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ انسان کا خالق انہیں ایسے قوانین کا مکلف کرے جن قوانین کا عملدرآمد خالق انسان کی حدود مملکت سے خارج ہو، اور جہاں اس کا کوئی دخل نہیں ہو۔ پھر اگر بفرض محال خالق انسان، انسانوں کو ایسے قوانین کا مکلف نہیں کرے، تو انسانوں کے لئے ان قوانین پر عمل کرنے کا کوئی داعیہ اس صورت میں نہیں رہے گا۔ کیونکہ خالقِ انسان کے قبضہ و اختیار میں نہ زمین ہوگی نہ آسمان، جس کے ذریعہ سے ان فرماں برداروں پر مزید احسان و اکرام کرسکتے۔ اور نافرمانوں کو عذاب میں مبتلا کرسکتے، اور جب انسانوں پر اپنے خالق کی اس درجہ مجبوری ظاہر ہوگی تو وہ اس کے قوانین کی کیوں پابندی کرنے لگے، اور جب پابندی نہیں ہوگی تو انسانوں کا تمام نظام زندگی درہم برہم ہوجائیگا۔ نہ صرف یہ کہ مقصد اعلیٰ یعنی "حفظ اموال" فوت ہوگا۔ بلکہ "حفظ جان"، "حفظ نسل" اور "حفظ عزت و ناموس" کا بھی کوئی ذریعہ باقی نہیں رہے گا۔ کیونکہ خالقِ انسان کے اختیار میں انسانوں کی

اور تعزیری و تعذیبی قوت ہی نہیں ہے جس پہ یقین کرنے سے انسانوں کے دلوں میں قوانین کی پابندی کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے ایک سے زائد خالق ہونے کی یہ صورت کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

متعدد خالق کی ایک دوسری صورت اگر یہ فرض کی جائے کہ ہر مخلوق کے لئے ایک سے زاید خالق ہو یعنی مخلوق کی ہر صنف اور ہر فرد کے لئے ایک سے زاید خالق ہو۔ تو یہ صورت بھی غیر ممکن اور محال ہے۔ اس لئے کہ اگر ایک خالق کو مخلوق کی خلقت اور تربیت پہ قدرت تامہ حاصل ہے تو دوسرے خالق کا وجود عبث اور بے فائدہ ہے۔ کیونکہ جب اس کو قدرت تامہ حاصل ہے تو وہ دوسرے کو مخلوق کی خلقت اور دوسرے اختیارات میں شرکت کا موقع بلا ضرورت کیوں دے گا کہ دوسرے خواہ مخواہ خالق کا بھی استحقاق ملکیت و وضع قانون مخلوق پر حاصل ہو جائے اور بلا ضرورت دوسرے کو مداخلت کا موقع ملے۔

تم جانتے ہو کہ جس انسان کو جس کام پر تن تنہا قدرت تام ہوتی ہے، وہ کبھی گوارہ نہیں کرتا ہے کہ اس کے کام میں کوئی دخیل ہو۔ پھر خالق کی ذات جو مخلوق سے بدرجہا اعلیٰ و ارفع ہے، وہ کس طرح اس کو گوارہ کر سکتی ہے کیونکہ غیر کی شرکت و مداخلت سے اس کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے جو ایک عظیم نقص ہے۔ اس لئے قدرت تام رکھنے کے باوجود غیر کو شریک کر کے اپنے اختیارات پر دھبہ کیوں لگائے، اور اگر کسی خالق کو قدرت تامہ حاصل نہیں ہے، بلکہ

یہ فرض کیا جائے کہ ہر ایک خالق کی ناقص قدرت مل جل کر مخلوق کی خلقت اور تربیت کا کام انجام دیتی ہے، تو یہ صورت بھی ناممکن اور محال ہے، کیونکہ اس صورت میں مخلوق کا وجود اُن سب کی مجموعی قوتوں اور قدرتوں کے اجتماع سے ہوگا۔ پس اگر ان سب کی قدرتوں اور طاقتوں کو مجتمع کرنے والی کوئی اور طاقتور ذات ہے تو حقیقتاً خالق وہی ایک طاقتور ذات ہوئی جس نے ان سب کی قوتوں کو جمع کیا اور اسی کی قدرت و طاقت سے مخلوق کا وجود ہوا۔ اس لئے متعدد خالق نہ ہوئے اور اگر یہ صورت نہ فرض کی جائے بلکہ یہ مانا جائے کہ چند ذاتوں نے از خود مل جل کر مخلوق کو پیدا کیا، تو حقیقتہً وہ مجموعی حیثیت سے خالق ہوئے اور اس صورت میں سبھوں کو مخلوق کی ملکیت، اس پر تصرف اور اس کے متعلق وضع قوانین کا اختیار بھی بحیثیت مجموع حاصل ہوگا۔ تو اس صورت میں بھی ضروری ہوگا، کہ ان سب کے اوپر ایک ایسی زبردست طاقت فرض کی جائے، جو مخلوقات کی خلقت، تربیت، وضع قوانین اور قوانین کے نفاذ و اجراء وغیرہ میں سب کو متحد رکھے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو ہر وقت اس امر کا امکان ہے کہ اس مجموعی طاقت سے کوئی طاقت علٰحدہ ہو جائے۔ جس کا لازمی نتیجہ ہوگا کہ مجموعی طاقت فنا ہو جائیگی، اس لئے کہ جو طاقت چند طاقتوں سے ملکر بنتی ہے وہ کسی ایک طاقت کے علٰحدہ ہو جانے سے فنا ہو جاتی ہے، اس لئے تخلیق عالم اور بقائے عالم اور اس کے نظام کی استواری کے لئے ایک زبردست طاقت والی ذات کی ضرورت ناگزیر ہوئی، اور جب یہ

صورت ہوئی تو حقیقۃً خالق کائنات وہی ذات ہوئی، نہ یہ کہ وہ متعدد ذاتیں جن کی مجموعی طاقت سے عالم کی خلقت فرض کی گئی تھی، کیونکہ اس صورت میں ان ذاتوں کی مجموعی طاقت حقیقۃً خود اس ذات کی جس کی قوت وقدرت سے ان کی قوت کا مجتمع ہونا فرض کیا گیا تھا مخلوق ہوئی، اس لئے متعدد خالق ہونے کی یہ صورت بھی ممکن نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اگر ہر صنف یا ہر ہر فرد مخلوق کی خلقت وتربیت میں متعدد خالقوں کی شرکت فرض کی جائے، اور اس صورت میں ان اشکالات سے قطع نظر بھی کر لیا جائے، جو اوپر ذکر کئے گئے ہیں، تو یہ امر تو بہر حال لازم ہوگا کہ انسانی مدنیت اور انسانی زندگی کی استواری کے لئے وضع قانون اور ان کی نگرانی کا استحقاق ہر ایک کو حاصل ہوگا، کیونکہ وضع قوانین اور نگرانی کا استحقاق حقیقۃً اسی کو حاصل ہے جس میں صفت خالقیت پائی جائے، اور جب وہ متعدد ہوئے تو یہ استحقاق ہر ایک کو بالذات حاصل ہوگا اور اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ کوئی اپنے حق سے دست بردار ہو جائے۔ پس اس صورت میں بنی نوع انسان کے مقاصد اربعہ مذکورہ صدر کی حفاظت کے لئے متعدد واضع قانون اور نگراں ہونگے جو ہر ایک مستقل بالذات ہونگے، اور جب یہ صورت ہوگی تو پھر قانون کی یکسانیت ویک رنگی باقی نہ رہیگی، اور اسی کے ساتھ نگرانی کی یکجہتی بھی باقی نہیں رہ سکتی، اور قانون کے احترام کے لئے اکرام وتنعیم اور

تعزیر و تعذیب کی ہر گیری بھی باقی نہیں رہیگی، کیونکہ اس صورت میں انسان اس توقع پر مدنیت انسانی کے قوانین ضروریہ کی خلاف ورزی کرنے کی جرأت یقیناً کریگا کہ چند خالقوں میں سے وہ کسی ایک خالق کے دامن میں پناہ لے سکے گا۔ اور اس طرح سے انسانی مدنیت کا نظام درہم و برہم ہوتا رہیگا جس کا انجام انسانیت اور انسانی زندگی کی ہلاکت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

الغرض انسانی عقل و بصیرت بھی انسانی مدنیت اور اس کی ملوی زندگی کے پیش نظر ایک سے زاید خالق کے وجود کو تسلیم کرنے سے قطعاً انکار کرتی ہے اور تعدد خالق کی کوئی صورت تسلیم نہیں کرتی اس لئے خالق کائنات کا واحد ہونا بھی ضروری ہے تاکہ نظام انسانی میں ہر نوع وحدت پائی جائے اور تمام بنی نوع انسان ایک واضع قانون اور واحد نگراں کے ماتحت مساوات اور یکسانیت کے ساتھ امن و امان کی زندگی بسر کر سکیں، عدل و انصاف قائم ہو اور ظلم و عدوان ناپید ہو جائے۔

آٹھویں فصل

واضع قانون کے کمالات کا انحصار

انسانی عقل و بصیرت، انسانی نفسیات، اور دنیا کے تمام احوال و کیفیات پر غور

فکر کرنے کے بعد انسانی مدنیت کی ترقی اور اس کے تحفظ کے لیے حسب ذیل امور تسلیم کرنے پر مجبور ہوتی ہے کہ:۔

(۱) انسانوں کی زندگی کے لئے کچھ ایسے اصول و قوانین ہونے چاہئیں۔ جن کی پابندی سے نظام زندگی مستقیم و استوار رہے۔

(۲) یہ قوانین و اصول ایسی ہستی کے بنائے ہوئے ہوں جو انسانوں سے ماوراء ہو، اور جس کو بلا چون وچرا وضع قانون کا کامل استحقاق حاصل ہو۔

(۳) اور اُس ہستی میں وہ تمام اوصاف اور کمالات موجود ہوں، جو ایک حقیقی واضع قانون میں عقلاً ہونے چاہئیں، اسی کے ساتھ اس میں اتنی طاقت موجود ہو جس کے سبب سے وہ قانون کی پابندی کرنے والوں پر انعام و اکرام کرکے ان کی حوصلہ افزائی کر سکے، اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سے سخت سزائیں کسی مزاحمت کے بغیر دے سکے۔

(۴) اور وہ قوانین کی پابندی اور خلاف ورزی کی نگرانی پر بذات خود قادر ہو۔

پھر انسانی عقل و بصیرت نے نہایت گہری نظر سے غور و فکر کیا، تو وہ اس نتیجہ پر پہنچی کہ عالم موجودات میں مذکورالصدر صفات کی صرف ایک ہی ہستی ہو سکتی ہے اور وہ خالق کائنات ہے۔ اور وہی واضع قانون ہو سکتی ہے، اور ہے۔ لیکن ان حقائق کے تسلیم کرنے کے بعد پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورالصدر

صفات کی ایک ہستی کا ہونا، اور اس کا انسانی مدنیت اور امن و امان کے لئے قوانین وضع کرنا، اور انسانوں کا اس ہستی اور اس کے قوانین کو تسلیم کر لینا۔ کیا انسانی مدنیت کی استواری اور قوانین کی پابندی کے لئے کافی ہے؟

جب ہم انسانی طبائع اور عادات و خصائل پر غور کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ صرف اسی قدر کافی نہیں ہے، کیونکہ قوانین خواہ کسی قدر نفع بخش ہوں، لیکن وہ انسانی آزادی کو ایک حد تک ضرور محدود کر دیتے ہیں، اور یہ تحدید ایک حد تک طبائع پر یقیناً ناگوار ہوتی ہے، مگر واضع قانون کی عظمت و اقتدار کے تصور سے، وعدۂ انعام و اکرام کی کشش یا تعزیر و تعذیب کے خوف سے یہ ناگواری، خوشگواری سے بدل جا سکتی ہے۔ اور چونکہ خالق کائنات کی ہستی ماورا سے ماوراء ہے، اس لئے اس کی ہستی عقل سے تو سمجھی جا سکتی ہے، اور دل و دماغ میں تو اس کی حضوری تسلیم کی جا سکتی ہے لیکن چونکہ انسان مدنیت کے میدان میں گامزن ہے، اور شب و روز تجارت و زراعت، صنعت و حرفت اور دوسرے کاموں میں مشغول ہے، یا اور کسی ذریعۂ معاش میں منہمک ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ اس کے اعضاء و جوارح اور ہاتھ پیر کبھی قوانین کے دائرہ سے باہر نہ ہوں، تاکہ ان حالات میں بھی واضع قانون کی ذات اقدس کا تصور اپنی عظمت و جلال کے ساتھ اس کے دل میں موجود ہو، اور اس کے دماغ پر اس کی تجلی جلوہ فگن رہے، تاکہ اس کی حضوری انسانوں کو ان تمام مشاغل میں بھی اس کے قوانین

کی خلاف ورزی سے روکے، اور تمام کاروبار میں بھی اُن قوانین کی پابندی کرے جو
خالق کائنات نے وضع کئے ہیں۔

اور جب کاروبار کے اوقات میں بھی خالق کائنات کی حضوری اور تجلی اُس کے
دل و دماغ پر نہ ہوگی تو وضع قانون کے اصل مقصد کا فوت ہونا ناگزیر ہے، اور
انسانی مدنیت میں رخنہ پیدا ہونا اور امن و امان میں فتنہ برپا ہونا لازم ہے، اسلئے
انسانی عقل و بصیرت ان حقائق کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچنے کیلئے مجبور ہے، کہ
خالق کائنات کا صرف حفظ اموال، حفظ جان، حفظ نسل اور حفظ عزت و ناموس
کے لئے قوانین کا وضع کرنا، اور انسانوں کو ان کی پابندی کا حکم دینا کافی نہیں ہے،
بلکہ اس کی بھی ضرورت ہے کہ خالق کائنات کچھ ایسے اصول و قوانین بھی وضع کرے
جس کی پابندی سے واضع قانون کا جلال و جبروت، اور اس کے تمام کمالات
جمالی و جلالی کی تجلی انسانوں کے دل و دماغ پر ہمیشہ جلوہ فگن ہو، اور انسانوں
کو اپنی کاروباری زندگی کے ترفیع اور مدنیت کی تمام ارتقائی منازل طے کرنے
میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ یعنی انسان کی علمی اور عملی زندگی کے لئے ایسے
بنیادی اصول و ضوابط خالق کائنات وضع کرے، کہ اگر انسان اُن بنیادی
اصولوں کا پابند ہو جائے، تو اُس پابندی سے واضع قوانین کی ذات اپنے تمام کمالات
کے ساتھ اس کے دل و دماغ پر اس طرح مسلط ہو کہ گویا وہ ذات ہر وقت اسکے
سامنے موجود ہے، یا یہ کہ وہ انسان خود اپنے کو اس کے سامنے موجود پائے،

تاکہ انسان کی کاروباری اور مدنیت کی زندگی میں جس میں قوانین مدنیت کی پابندی محض انسانیت اور تمدن کی بھلائی کے لئے ضروری ہے، کوئی لغزش اس سے سرزد نہ ہو۔ اور اسی وجہ سے اس قسم کے بنیادی اصول وضوابط علم و عمل کے درجہ میں اولیت کی حیثیت حاصل کر لیتے ہیں، اس لئے کہ اگرچہ عدل وانصاف، امن وامان اور مدنیت انسانی کے عروج وارتقار کے لئے اس مادی زندگی میں خالق کائنات کے ان قوانین کی پابندی کی ضرورت ہے، جو انسانی زندگی کے اُن مقاصد اربعہ سے متعلق ہوں جن کا ذکر تفصیل سے اوپر ہو چکا ہے لیکن ان قوانین کی پوری پابندی خالق کائنات کی حضوری کے بغیر ناممکن ہے اور اس کی حضوری بغیر ان بنیادی اصول وضوابط کے ناممکن ہے، اس لئے ناگزیر ہے کہ ان بنیادی اصولوں اور ضوابط کی پابندی کو اولیت کا درجہ دیا جائے۔

اب وہ بنیادی اصول وضوابط کیا ہیں، اور کیا ہونے چاہئیں؟ یہ تو وہی خالق کائنات بتا سکتا ہے کہ تمام قوانین زندگی کی طرح ان اصولوں کا واضع بھی وہی ہے، لیکن انسانی عقل وبصیرت اپنے غور وفکر سے اس قدر ضرور سمجھتی ہے کہ سب سے پہلے انسان کو خالق کائنات کی ذات وصفات اور اس کے تمام کمالات کا علم ویقین حاصل کرنا چاہیئے، جیسا کہ گذشتہ فصل میں کسی قدر تفصیل سے اس کو بیان کیا گیا ہے، اسی کے ساتھ انسان صرف اسی کی قدرت

واقتدار اور اسی کے کمالات کے سامنے اپنی بیچارگی اور درماندگی کا اعتراف کرے، اور یقین کرے کہ وہ دُنیا کی ہر شئی پر قدرت رکھتا ہے اور سب سے بالاتر ہو کر رہنے کی صلاحیت واستعداد رکھتا ہے، اور خالق کائنات کی قدرت تامہ کے آگے سرنگوں ہونے اور عبدیت کا ثبوت دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، اور یہ کہ خالق کائنات کی اس معرفت اور اپنی عبدیت کا اعتراف مستمر اور دوامی ہو، تاکہ وہ مقاصد پورے ہوں، جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، اسی معرفت اور عبدیت کے استمرار کے لیے، اگر انسانوں کا گروہ خود کوئی اصول وضع کرنا چاہے، تو انسانی عقول کے تفاوت کی بنا پر اس میں شدید اختلاف کا پیدا ہونا ضروری ہے، اسی کے ساتھ وہ تمام اشکالات سامنے آتے ہیں جو جمہوری اصول پر قوانین تمدن انسانی کے وضع کرنے میں لاحق ہوتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ معرفت خالق اور اعتراف عبدیت کے استمرار کے لئے اصول وضوابط کے وضع کا حق بھی صرف اسی خالق کائنات کو ہو، اور وہی، اس کو وضع کرکے، انسانوں کو اس کی پابندی کا حکم دے سکتا ہے، تاکہ انسانی مدنیت صحیح طریقہ پر اپنے ارتقائی منازل کو طے کرتے ہوئے آخری منزل پر پہنچ سکے۔

نویں فصل

قوانین خالق کے علم کا طریقہ

انسانی مدنیت کے عروج و ترقی اور انسانی زندگی میں قیام عدل و انصاف کی غرض سے انسانی عقل و بصیرت نے یہ فیصلہ کیا کہ انسان کی ضروریات زندگی اور اس کی تحصیل و تکمیل میں ہر شخص کی فطری آزادی کو ایسے حدود کے اندر محدود کیا جائے جس سے مقاصد زندگی کی تحصیل و تکمیل اور عروج و ترقی میں کوئی خلل بھی نہ پڑے اور ظلم و عدوان کے راستے بھی مسدود ہو جائیں، اور یہ ایسے اسلوب سے ہوں کہ تحدید و تقیید کی ناگواری خوشگواری سے بدل جائے، اور انہی مبادیات حقہ کی بنیاد پر اور استقرائے تام اور تجربیات کی روشنی میں انسانی عقل نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ ان مقاصد کے حصول کے لئے قوانین کی ضرورت ہے، اور ان قوانین کا واضع صرف خالق کائنات ہی ہو سکتا ہے، اسی کے ساتھ دلائل حقہ کی رہنمائی میں انسانی عقل و بصیرت نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ انسانی دل و دماغ پر معرفت خالق کی تجلی اور اس کے استقرار کے لئے کچھ اصول و ضوابط ہونے چاہئیں، تاکہ خالق کائنات کی تجلی ذات و صفات اور اس کی عظمت جمالی و جلالی انسانوں کو قانون شکنی سے باز رکھے، اور ان اصولوں اور ضوابط کا واضع بھی صرف خالق

کائنات ہی ہو سکتا ہے جیسا کہ گذشتہ فصل میں اس حقیقت کو بوضاحت بیان کیا گیا ہے۔ اب ان حقائق کے بعد ایک نہایت اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسانوں کو خالق کائنات کے قوانین و احکام اور اصول و ضوابط کا علم کس طرح ہو؟

یہ تو ظاہر ہے کہ خالق کائنات کی ذات مادہ اور تمام مادی لوازمات سے بری ہے اس لئے ہم لوگ اپنی ان مادی آنکھوں سے اس کو دیکھ نہیں سکتے، ہاں عقل و بصیرت کی نورانیت سے کائنات عالم کے ذرہ ذرہ میں خالق کے وجود اور اس کی صفات کی جلوہ گری بلاشبہ مشاہدہ کرتے ہیں، اس لئے یہ تو ناممکن ہے کہ انسان خالق کائنات کے قوانین و احکام کو اس طرح جانے اور سمجھے جس طرح ایک انسان دوسرے انسان کی بات کو دو بدو اور رُو در رو اپنے کان سے سُن کر جانتا اور سمجھتا ہے، کیونکہ خالق کائنات کسی انسان کے سامنے کسی مادی شکل و صورت میں نہیں ہے، اور نہ ہو سکتا ہے، اس لئے کہ یہ صفت تو مخلوق کی ہے، نہ کہ خالق کی۔ خالق تو ان تمام اشکال و صورت اور رنگ و روپ کو پیدا کرتا ہے۔

قوانینِ خالق کے علم کے چند طریقے

لیکن چند صورتیں بلاشبہ ایسی ہو سکتی ہیں، جن کے ذریعہ مخلوق کو خالق کے قوانین و احکام کا علم ہو سکتا ہے، اور عقل و بصیرت اس کو قبول کر سکتی ہے، بلکہ تسلیم

کرتی ہے، اور اُن سے انکار کے لئے کوئی وجہ اور دلیل نہیں پاتی ہے۔

(۱) ایک صورت یہ ہے کہ خالق کائنات انسانوں کے دل میں اپنے ان تمام قوانین و احکام کو ڈال دے جن پر انسانوں کو عمل کرنا چاہیئے اور جن کو انہیں تسلیم کرنا چاہیئے۔

یہ طریقہ ایسا ہے جس کے تسلیم کرنے میں عقل سلیم اور بصیرت انسانی کو کوئی شک و شبہ واعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب خالق کائنات آسمان و زمین، اور سینکڑوں اصناف کی مخلوق، اور ان کے گوناگوں صفات و خصائص پیدا کرنے پر قادر ہے، بلکہ اس نے پیدا کر دیئے ہیں۔ تو اگر وہ اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ انسان کے دلوں میں اپنے وضع کردہ قوانین و احکام اور ہدایت و رشد کی باتیں ڈال دے۔ تو اس میں تعجب کی کیا بات ہو سکتی ہے آخر انسانوں کی ذات اور ان کے تمام قوائے عقلی و حسی کو تو اسی خالق نے بنایا ہے۔ پس اگر وہ اپنے خاص احکام و ہدایات بھی ان کے دلوں میں ڈال دے تاکہ ان کی پابندی سے ان کی مدنی زندگی تباہ و برباد نہ ہو۔ تو یہ اس خالق کے شایان شان ہے، اور کوئی دلیل عقلی اس کے خلاف قائم نہیں ہے۔

خالق کی شان تو بہت اعلیٰ وارفع ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایک وہ انسان جو مسمریزم کا عامل ہے دوسرے انسان کے دل میں اپنے عمل اور توجہ سے کس اس طرح تصرف کرتا ہے کہ اس کے دل میں اپنی باتیں ڈال دیتا ہے۔ اور اس کو

اس کی زبان سے کہلواتا ہے۔ پس جب خالق کی ایک مخلوق اپنی ناقص قدرت سے یہ تصرف کر سکتی ہے تو خالق جس کی قدرت مکمل ہے اور وہ کسی کسب وعمل کا محتاج نہیں، وہ انسانوں کے دل میں ایسی باتیں کیوں نہیں ڈال سکتا ہے۔

ہاں اس صورت میں یہ ضرور تسلیم کرنا ہوگا کہ خالق کائنات جس کے دل میں ایسی بات ڈال دیگا۔ اس میں اس کی خاص صلاحیت واستعداد ہونی چاہیے کہ وہ خالق کی بتائی ہوئی بات کا بوجھ اٹھا سکے اور اس کو اچھی طرح اخذ کرکے سمجھ سکے، کیونکہ ہر انسان کے دل ودماغ اور جسم کی قوت اور استعداد برابر نہیں ہے۔ پس جب انسان میں اتنی طاقت وصلاحیت ہوگی کہ وہ خالق کائنات (جو سب سے بڑی طاقت ہے) کی بات دل میں لے سکے، اس کے لئے یہ صورت ممکن ہوگی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ آخر مسمریزم کے عمل کا اثر ہر معمول پر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کی تاثیر بھی تو اسی معمول پر ہوتی ہے جس میں اس کی استعداد ہوتی ہے۔

(۲) اور دوسری صورت یہ ہے کہ خالق کائنات خود اپنی باتیں انسان کے کان تک اس طرح پہنچا دے کہ وہ خود اپنے کان سے خالق کی بات سن لے، انسانی عقل وبصیرت سمجھتی ہے کہ اس طریق سے بھی خالق کائنات کے قوانین واحکام براہ راست انسان کو معلوم ہو سکتے ہیں۔ اس صورت کے

تسلیم کرنے پر عقلاً کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خالق نے انسان کے کان میں قوت سامعہ عطا فرمائی ہے وہ شب و روز باتوں اور آوازوں کو سنتا ہے' اور بسا اوقات انسان اُن باتوں کو بھی سُنتا ہے جس کے بولنے والوں کو وہ اپنی آنکھ سے نہیں دیکھتا۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ ٹیلیفون اور ریڈیو کے ذریعہ جن کو انسانوں نے خالق کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے ایجاد کیا ہے' تم ..... ہزاروں میل کی آواز تم سنتے ہو اور جس کی آواز تم سُنتے ہو' تم اس کی صورت و شکل' قد و قامت' رنگ و رُوپ وغیرہ کو نہیں دیکھتے ہو' اور بعض وقت اُس سے واقفیت بھی نہیں رکھتے ہو۔ تم جانتے ہو کہ بجلی کی طاقت ہے' جو خاص ترکیب سے منضبط کرلی جاتی ہے' اور اسی طاقت کا کرشمہ ہے کہ آوازیں ہزاروں میل کے فاصلہ سے سُنائی دیتی ہیں۔

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ جہاں سے آواز کی ابتدا ہوتی ہے' اور جہاں آواز سُنائی دیتی ہے' ہر دو جگہ بجلی کی طاقت ہوتی ہے' ان طاقتوں کے اثرات کے ظہور کے لئے مشینوں اور آلات کے سینکڑوں حجابات ہوتے ہیں' جب کہیں ہزاروں میل کی آواز سُنائی دیتی ہے' اور جہاں یہ طاقت ان حجابات کے ساتھ منضبط نہیں ہوتی ہے' وہاں آواز نہیں سُنی جاسکتی' اس سے ثابت ہے کہ آواز کے مصدر و منبع میں بھی اس قسم کی طاقت منضبط ہونی چاہیئے' اور جہاں

یہ آواز سُنائی دے، وہاں بھی اس آواز کو جذب کرنے اور اخذ کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیئے۔ پس جب یہ بات ہوسکتی ہے، اور آج دنیا میں ہمارے سامنے ایسی طاقتیں موجود ہیں، تو خالق جو تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے کہ دنیا کی ہر طاقت اسی کی پیدا کردہ ہے، اس میں اپنی بات کے پھیلانے اور پہنچانے کی طاقت ضرور ہونی چاہیئے۔ لیکن اس کی بات اپنے کان سے جو سُنے اس کے پاس بھی وہ طاقت ہونی چاہیئے۔ جس کے ذریعہ وہ باتوں کو اخذ کرسکے لیکن ظاہر ہے کہ یہ طاقت تو ہر انسان میں نہیں ہے، لیکن یہ تو ہوسکتا ہے کہ خالق کسی خاص انسان میں اپنی قدرت کاملہ سے ایسی طاقت رکھ دے، کہ وہ براہ راست خالق کی بات کو سن سکے، اور سمجھ سکے۔

الغرض کوئی خاص انسان جس میں خالق کی طرف سے وہ خاص طاقت رکھی گئی ہو جس کی وجہ سے وہ خالق کی بات براہ راست سُن سکے۔ عقل پیغمبر کے نزدیک ممکن ہے، اور اس کے ناممکن اور بعید از عقل ہونے پر کوئی دلیل عقلی نہیں ہے۔

بلاشبہ یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ ہر انسان خلقتاً ہر حیثیت سے برابر نہیں ہے۔ اور واقعہ بھی یہی ہے، انسانوں میں عورت و مرد کا اختلاف ہے، قد و قامت کا اختلاف ہے، رنگ و روپ کا اختلاف ہے، جسمانی طاقتوں کا اختلاف ہے، انسانوں کی عقل و بصیرت کے مختلف مدارج ہیں، جو ان کی قوت تخیل اور فہم کے تفاوت

اور کمی و بیشی پر مبنی ہیں، اور جب اس قدر اختلاف اور فرق انسانی صفات اور
اور طاقت میں خلقۃً موجود ہے، اور یہ سب اختلافات خالق ہی کے پیدا کردہ
ہیں، تو اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خالق کسی انسان میں اپنی قدرت سے وہ
خاص طاقت پیدا کر دے، جو اس کی بات کو براہ راست سن سکے، اور سمجھ سکے۔
اور دوسرے انسان جن کو خالق نے وہ قوت نہ دی ہو، اس کو نہ سن سکیں، انسانی
عقل سلیم کو اس صورت کے تسلیم کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے؟

بلکہ خالق کائنات کی قدرت کاملہ کا اقتضاء یہ ہے کہ خاص خاص انسانوں ہی
میں یہ طاقت رکھے تاکہ جس طرح انسانوں کے دوسرے جسمانی و عقلی صفات میں
تفاوت ہونا، خالق کے کمالات کے شواہد ہیں۔ اسی طرح انسانوں میں اس
مخصوص طاقت کی موجودگی اور عدم موجودگی کا اختلاف بھی خالق کی قدرت کاملہ
کا اہم شاہد ہو۔

(۳) تیسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خالق انسانوں کے مفاد کے لئے کوئی
ایسی مخلوق بنائے جس میں بجلی اور ریڈیو جیسی طاقت ہو، جو خالق کی بات کو
ٹھیک ٹھیک جذب کرے اور اس مخلوق میں یہ استعداد ہو کہ وہ خالق سے اخذ
کی ہوئی باتوں کو اس انسان تک پہنچا دے جس میں خالق نے وہ خاص قوت
نہیں رکھی ہے۔

ایسی صورت میں خالق اور اس انسان کے درمیان جو خالق کی بات نہیں سن

سکتا ہے ایک دوسری مخلوق کو تسلیم کرنا پڑتا ہے اسی کے ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ مخلوق انسان نہیں ہے بلکہ ایسی مخلوق ہے جس کو ہم لوگ اپنی آنکھ سے نہیں دیکھتے مگر اس میں بجلی اور ریڈیو جیسی طاقت ہونی چاہیئے۔ مگر عقل کے نزدیک ان باتوں کے تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور نہ کوئی استحالہ ہے کیونکہ ہم لوگ خود اپنے جسموں میں ایک ایسی مخلوق کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں جس کو نہ آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں نہ ہاتھ سے چھو سکتے ہیں، جس کو روح کہتے ہیں۔ مگر اس کے کام کو عقل سے سمجھتے ہیں۔ اور یہ ایسا واقعہ ہے جس کو سب لوگ تسلیم کرتے ہیں، تو اگر اسی طرح کوئی دوسری مخلوق ہر قسم کی تسلیم کی جائے جس کے ذریعہ خالق کائنات کی ہدایات اور ضروری باتیں انسان تک پہنچتی رہیں جو خالق کی باتوں کے سننے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو تاکہ وہ انسان پھر دوسرے انسانوں کو وہی باتیں بتا سکے۔ تو اس میں کیا استحالہ ہے؟ اور تعجب وانکار کی کیا بات ہے؟ سوا اس کے کہ ہم جیسے عام انسان کسی ایسی مخلوق کو نہیں دیکھتے، لیکن ہم جیسے انسانوں کو تو آجتک ہزاروں قسم کی مخلوقات کو جو اس دنیا میں موجود ہیں، دیکھنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا، لیکن ان کے وجود کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

پس اگر خالق کی بات کسی انسان تک پہنچے اور اس کے سننے کیلئے

کسی ایسی مخلوق کا وجود تسلیم کیا جائے، جو واسطہ ہو سکے، تو یہ بھی ایک صورت خالق کی بات کو سننے کی ہو سکتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس سننے والے میں بھی کوئی خاص قوت واستعداد ہونی چاہیئے جس کی وجہ سے وہ خالق کی بات کو سن سکے اور سمجھ سکے، اور اس بوجھ کو اٹھا سکے۔

ہر انسان کو براہ راست قوانین خالق کا علم نہیں ہو سکتا

لیکن اس مرحلہ پر انسانی عقل و بصیرت کے سامنے ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خالق کائنات کی ذات اور اس کے تمام کمالات جلالی اور جمالی کی معرفت، اور وہ اصول و ضوابط جن کی پابندی سے خالق کے کمالات کی جلوہ ریزی، انسان کے دل و دماغ پر ہوتی رہے، اور ان قوانین کا علم جن کی پابندی نظام مدنیت و انسانیت کی استواری کے لئے ضروری ہے۔ ہر انسان کو حاصل ہونے کی ضرورت ہے تاکہ ان قوانین کی پابندی سے مدنیت اور نظام انسانیت استوار اور درست رہے۔ اور انسان کسی قانون کی خلاف ورزی کر کے مدنیت اور نظام انسانیت کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب تک ان تمام قوانین کا ہر ہر انسان کو علم نہ ہوگا۔ وہ کس طرح ان پر عمل کر سکتا ہے۔ اور جب ہر انسان کے لئے ان تمام قوانین کا جو خالق کائنات کے قوانین ہیں جاننا ضروری ٹھہرا تو اس علم و معرفت کی صورت کیا ہو سکتی ہے۔ کیا ہر ہر انسان

کو خالق کی باتوں کا علم اُن ہی تین طریقوں سے جن کا اوپر ذکر ہوا، ہو سکتا ہے؟

اس سوال پر جب کوئی سلیم العقل مفکر غور کرتا ہے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ یہ تو نا ممکن ہے کہ ہر فرد بشر کو خالق کائنات کی باتیں اور ہدایات ان ہی تین طریقوں سے معلوم ہو سکتی ہیں، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک خطہ، ملک اور ایک طبقہ کے انسانوں کی جسمانی، حسی، عقلی قوتیں متفاوت ہیں، ہر ایک کی صلاحیت اور استعداد طبعی میں زیادتی اور کمی ہوتی ہے، انسانوں کی ان طبعی قوتوں میں اختلاف شدید ہونا، خالق کائنات کی قدرت کاملہ کی کرشمہ سازیوں کے ثبوت کے لیے بھی ضروری ہے اور نیز نظام انسانی اور نظم مدنیت کی بقا اور استواری کے لیے بھی۔ کیونکہ اگر تمام انسان ایک صلاحیت و استعداد کے ہوتے تو نظام انسانی، اور نظم مدنیت بالکل درہم برہم ہو جاتا۔ ایک انسان کو دوسرے انسان کی حاجت نہیں رہتی، اور انسانوں کا باہمی احتیاج کے ذریعہ وابستہ ہونا، مدنیت کا سنگ بنیاد ہے۔ لیکن تمام انسانوں کی قوت، صلاحیت، و استعداد جب برابر ہو جائے، تو پھر ایک کو دوسرے کی احتیاج کیوں رہے گی؟ بہر حال خالق کائنات کی خالقیت کے ثبوت اور انسانی مدنیت کے قیام و بقا کے لیے انسانوں کی قوتوں اور صلاحیتوں میں تفاوت کا ہونا ضروری ہے، اور جب وہ تمام قوتیں جو انسانوں میں قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہیں،

بہت متفاوت ہیں، اور ہر ایک میں قوتوں کی صلاحیت واستعداد برابر نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ وہ خاص قوت واستعداد جو خالق کی بات کو سُننے سمجھنے کے لئے تینوں طریقوں میں ضروری ہے، سب انسانوں میں نہیں ہو سکتی، اور جب سب انسانوں میں وہ خاص قوت واستعداد نہیں ہے، تو سب انسان خالق کے قوانین واحکام کو ان تین طریقوں سے نہ سُن سکتے ہیں اور نہ جان سکتے ہیں۔

بلاشبہ یہ ہو سکتا ہے کہ بعض انسان ایسے ہوں جن میں تمام انسانی قوتیں بدرجہ اتم ہوں، اسی انسان میں خالق وہ خاص قوت واستعداد بھی رکھے جس کی وجہ سے وہ خالق کائنات کی ہدایات کو سُننے اور سمجھنے کی طاقت رکھتا ہو، اور وہ خالق کی باتوں اور ہدایتوں کو ٹھیک ٹھیک دوسرے انسانوں تک پہنچائے۔ اس طرح تمام انسانوں کو خالق کے ان تمام قوانین کا علم ہو جائیگا، جن پر عمل کرنا مدنیت اور انسانیت کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ یہ خاص انسان جس کو خالق نے وہ خاص قوت و استعداد عطا کی ہے جس کے ذریعہ سے خالق کی بات اخذ کرلے، اور اسکی بات کو سُنے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔ چونکہ صورت وشکل میں انسان ہی ہے اور اس میں وہ تمام قوتیں ہیں۔ جو عام انسانوں میں قدر مشترک ہیں، وہ جب اپنی زبان سے خالق کی بات اسی طرح سنائیگا جس طرح ایک

انسان دوسرے انسان سے بات چیت کرتا ہے، اور اس کو لوگ سنتے و سمجھتے ہیں، تو سب لوگ اس شخص کے ذریعہ خالق کی بات کو بھی سن سکتے اور سمجھ سکتے ہیں، ہاں یہ بات ضرور ہوگی کہ خالق کی بات اپنے خاص اسلوب اور مضامین کے اعتبار سے ان کی آپس کی بات چیت سے بالکل ممتاز و نرالی ہوگی۔

الغرض انسانی عقل و بصیرت غور و فکر کے بعد انسانی نظام مدنیت کی استواری کے لئے اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ انسانوں میں سے بعض ہی انسان ایسے ہونے چاہئیں جن کو خالق عام انسانوں سے زیادہ قوت و استعداد عنایت فرمائے جس کے سبب سے وہ خالق کی بات اور اس کے قوانین و احکام کو، ان تین طریقوں سے اخذ کر سکیں، جن کا ذکر اوپر ہوا، اور ان ہی کے ذریعہ عام انسانوں کو خالق کی باتیں معلوم ہو جائیں تاکہ نظام مدنیت اور انسانیت کی استواری کے اصول و قوانین کسی سے مخفی نہ رہیں۔

خالق کا کلام سننے والوں کی امتیازی شان

لیکن انسانی مدنیت کی استواری کی خاطر خالق کی بات سننے والوں کے لئے کچھ امتیازات بھی ضروری ہیں۔ کیونکہ انسانی فطرت اور طبیعت کا اقتضاء یہ ہے کہ وہ نظام مدنیت میں اونچے سے اونچا درجہ حاصل کرلے۔ اس لئے اپنی قوت و فکر اور صلاحیت و استعداد کے مطابق ہر شخص مدنیت میں اعلیٰ درجہ حاصل کرنے کی

کوشش کرسکتا ہے۔
اور یہ ظاہر ہے کہ جو شخص اس قابلیت وصلاحیت کا ہوگا جس کو خالق کے قوانین کا انسانوں میں سب سے پہلے علم ہوگا، اور قوانین اس کے ذریعہ دوسروں تک پہنچیں گے، تو اس شخص کا درجہ قدرۃً وطبعاً اپنے معاصرین میں اور عام انسانوں میں سب سے بلند رہے گا۔ کیونکہ قوانین خالق کی معرفت میں سب اسی کے محتاج ہوں گے۔

اس لئے انسانوں کی نفسیاتی حالت اور کیفیت کو پیش نظر رکھ کر یہ خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ قوانین خالق کے علم کے مدعی اپنی ذاتی وجاہت اور سربلندی کے لئے ایسے لوگ بھی ہوسکتے ہیں، جن کو خالق نے حقیقۃً نہ وہ قوت عطا کی ہو، جس سے وہ خالق کی بات سن سکتے ہیں، اور نہ خالق نے اپنی ہدایات واحکام ان کو بتائے ہوں، مگر وہ شخص اپنی ذہانت اور جودت فکر سے ایسی باتیں بتا سکتا ہے جو عام انسانوں کی باتوں سے عموماً ملتی جلتی نہ ہوں، اس لئے اس مشکل کا بھی کوئی حل ہونا چاہیئے جس سے اس اہم معاملہ میں سچے مدعیوں اور جھوٹے مدعیوں میں فرق وامتیاز ہوجائے۔

پس جب اس مشکل کے حل پر انسانی عقل وبصیرت غور کرتی ہے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ سچا مدعی وہی ہوسکتا جس کو خالق نے حقیقۃً وہ خاص قوت عطا کی ہو جس کے ذریعہ وہ خالق کی بات سن سکتا ہے، اور جب یہ صورت ہے

تو ظاہر ہے کہ کسی انسان کو یہ درجہ اور مرتبہ محض خالق کے انتخاب سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یعنی عام انسانوں کے مقابلہ میں جس کے تمام قویٰ انسانی کامل تر ہوں گے اسی اسی کو وہ خاص قوت عطا ہوگی جس کے سبب سے وہ خالق کی بات سن سکتا ہے اور یہ تمام باتیں خالق کی خاص توجہ اور عنایت سے اس کو حاصل ہو سکیں گی۔

تو اس شخص کی سچائی اور اس کے دعویٰ کے ثبوت کے لئے خالق ہی ایسی صورتیں پیدا کر سکتا ہے جس کے ذریعہ عام انسانوں پر اس کی سچائی ظاہر ہو جائے اور جھوٹے مدعی ان اصولوں اور خصوصیات سے محروم ہوں۔ مثلاً

(۱) جس کو خالق یہ منصب عطا کرنا چاہے، اس کی حالت و کیفیت بچپن سے عام انسانوں کے بچوں سے بہت زیادہ نظر آئے۔

(۲) انسانی ہمدردی بے لوث خدمت خلق اور خاص کر مجبوروں اور ناتوانوں کی دست گیری کا جذبہ اس کے اندر اپنے تمام معاصرین سے بڑھ چڑھ کر ہو۔

(۳) وہ کبھی کسی اخلاقی برائی کا مرتکب نہ ہوا ہو۔

(۴) خاص کر وہ کسی معاملہ میں جھوٹ نہ بولا ہو۔

(۵) اس نے کسی پر ظلم و ستم نہ کیا ہو، اور نہ اس کو روا رکھتا ہو کہ کوئی انسان کسی انسان کو ناحق ستائے یا تکلیف پہنچائے۔

(۶) وہ اپنی ابتداء آفرینش سے اور خاص کر سن شعور سے سب سے بڑی طاقت صرف خالق کائنات کو تسلیم کرتا ہو۔

(۷) اس سے کبھی کبھی ایسے امور ظاہر ہوں کہ اس وقت کے بڑے سے بڑے انسان اور عاقل سے عقلمند انسان ان امور کے کرنے پر قادر نہ ہوں اور ان کاموں میں اس کے مقابلہ میں سب عاجز ہو جائیں۔

(۸) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خالق کی بات سنے اور اس منصب کے عطا ہونے کے بعد اپنے اس منصب کے پانے کی ایک یا ایک سے زائد نشانیاں خالق کی ہدایت کے مطابق پیش کرے، اور وہ نشانیاں اس کے بیان کے مطابق پائی جائیں اور وہ ایسی ہوں جن کے کرنے اور بتلانے سے سب انسان عاجز نظر آئیں، کیونکہ خالق کائنات جب کسی انسان کو اپنی ہدایت عام انسانوں تک پہنچانے کے لئے منتخب کرے گا تو خالق اپنی خاص عنایات سے اس کو تمام کمالات علمی و عملی اور اخلاقی سے اس طرح نوازے گا کہ وہ اپنے تمام معاصرین اور ان لوگوں سے جن کی طرف وہ پیغام پہنچانے کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ سربلند اور ممتاز نظر آئے اور ہر عقل سلیم رکھنے والا انسان اس کے تمام کمالات اور خوبیوں کو دیکھ کر اس کو خالق کائنات کا ترجمان اور پیغامبر تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے۔

(۹) وہ تمام انسانی قبائلی عصبیت اور ہوائے نفس کی پیروی سے قطعی مبرا ہو گا اور تمام لوازم بشریت کی موجودگی کے باوجود وہ خالق کے کسی حکم اور ہدایت کو انسانوں سے مخفی نہیں رکھ سکتا اور یہ کہ وہ خالق کے کسی حکم و ہدایت کی خلاف ورزی کر ہی نہیں سکتا، کیونکہ اگر خالق اس شخص کو انسانی صورت میں اس قدر نورانی نہ بنائے تو وہ مقصد فوت ہو جائے گا جس مقصد کے پورا کرنے کے لئے عقل ایسے انسان کے وجود کو تسلیم کرتی ہے۔

الغرض اس شخص کے اندر ان تمام باتوں کا بحیثیت مجموعی ہونا اس بات کی قطعی دلیل ہوگی کہ یہ شخص اپنے دعویٰ میں سچا ہے، اور یہ باتیں اس کی امتیازی نشانیاں ہوں گی جو جھوٹے مدعیوں میں نہیں ہو سکیں کیونکہ سچے مدعیوں کو تو خالق اپنی خاص عنایت سے ان تمام کمالات سے سرفراز کرے گا تاکہ تمام انسان سچے مدعی کو پہچانیں۔ اسی کے ذریعہ قوانین خالق اخذ کریں اور سمجھیں اور اپنے نظام مدنیت کو استوار کریں، اور جھوٹوں کو ان تمام کمالات سے بحیثیت مجموعی محروم رکھے گا، تاکہ مخلوق ان کو جھوٹا سمجھے۔ اور ان کی من گھڑت باتوں کو خالق کی

بات سمجھکر اپنی زندگی اور مدنیت کو تباہ نہ کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ خالق جس شخص کو اپنا پیغام پہنچانے کے لئے منتخب کرے گا اس کے کمالات اور انسانوں کو عاجز و مجبور کرنے والے کام ایسے ہوں گے جن سے سچے مدعی کی تمیز عقل سلیم رکھنے والوں کے نزدیک روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے تاکہ انسانوں کو خالق کی صحیح صحیح بات ٹھیک طور سے معلوم ہو سکے، اور یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کے تسلیم کرنے میں عقل و بصیرت کو کوئی عذر نہیں ہو سکتا اور نہ ان کے خلاف کوئی دلیل عقلی موجود ہے کیوں کہ خالق کے لئے ایسے باکمال شخص کو پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں۔

گذشتہ فصول کے تمام مباحث کو پیش نظر رکھکر اس نتیجہ پر بآسانی پہونچا جا سکتا ہے کہ اگر ان تمام حقائق کو انسان تسلیم کرلے اور تمام لوگ ان قوانین کی پابندی کریں جو ان کے خالق نے ان کے لئے مقرر کئے ہیں تو ان کی دنیاوی زندگی راحت و عیش سے گذرے گی اور مدنیت انسانی ترقی پذیر اور پُر امن ہوگی اور فتنہ و فساد نہ ہوگا کیوں کہ خالق کائنات کے کمالات جمال و جلال، اکرام و تنعیم اور تعزیر و تعذیب کا یقین کامل، قوانین مدنیت کی یکسانی اور افادیت تامہ پر اعتماد و بھروسہ ایسی چیزیں ہیں، جو ذی شعور انسان کو قوانین کی پابندی کرانے اور ان کی خلاف ورزی سے روکنے کے لئے کافی ہیں۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ تمام انسانوں کی عقل و بصیرت یکساں نہیں ہے۔ ہر انسان ان حقائق تک صرف اپنی فہم و بصیرت سے نہیں پہنچ سکتا ہے، اس لئے اس درجہ کے انسانوں کیلئے اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ وہ ان لوگوں پر اعتماد کریں، جو ان حقائق کو سمجھتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں، اور ان کی عقل و بصیرت سے فائدہ اٹھا کر ان حقائق کو تسلیم کریں جنھیں انکی عقل [illegible]

مگر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ انسانوں میں بہت سے کج فہم ایسے ہو سکتے ہیں، اور ہیں جو نہ خود غور و فکر سے کام لیتے ہیں، ورنہ دوسروں کے غور و فکر کے نتیجہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، وہ اپنی جہالت اور نفس پروری کے لئے صرف اپنی ہوائے نفس کی اتباع کو ضروری خیال کر سکتے ہیں بہت سے انسان ایسے ہو سکتے ہیں جن کا ذاتی غرور و پندار ان تمام حقائق یا بعض اہم حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے اس قسم کے لوگوں میں بعض کو اس بات کی ضد بھی پیدا ہو سکتی ہے کہ وہ ہر معقول بات کا انکار کر دیں، یہاں تک کہ وہ ان حقائق کے قبول کی صلاحیت بھی کھو سکتے ہیں۔

پس جب ایسے لوگ دنیا میں ہو سکتے ہیں جن کو انسانی طبقات اور قبائل و اشخاص کی نفسیات اور ان کے ماحول کے اثرات پر غور کرنے سے بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے، تو ایسے انسانوں کے وجود سے انسانی مدنیت کی استواری اور خوشگواری میں رخنہ پیدا ہونا ایک قدرتی امر ہے، اور ایسے لوگوں کا وجود انسانی زندگی کیلئے ایک عظیم فتنہ ہو سکتا ہے۔

اسی طرح کچھ لوگ ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو ان تمام حقائق کو تو تسلیم کرتے ہوں، جن کا تسلیم کرنا انسانی زندگی کی بھلائی کے لئے ضروری ہے، لیکن وہ اپنی نفسانی خواہشات طبقاتی یا قبائلی حمیت کے غلبہ کی وجہ سے یا خالق کائنات کے کمالات جلالی و جمالی پر یقین کی کمزوری یا غفلت کی وجہ سے ٹھیک ٹھیک اُن قوانین کی پابندی نہ کر سکیں جن کی پابندی ان کی زندگی کی بھلائی اور مدنیت انسانی کی استواری و خوشگواری کیلئے ضروری ہے تو ایسے لوگ بھی خالق کے قوانین کی خلاف ورزی کر کے انسانی زندگی کے مقاصد کو نقصان پہونچا سکتے ہیں۔

اس لئے نہایت ضروری ہے کہ خالق کائنات ان تمام مفاسد کے انسداد اور مدنیت انسانی کی استواری کے لئے کچھ اصول وضع کرے، کیونکہ اگر انسانی عقل و فکر کو ان اصولوں کے وضع کرنے کا اختیار دیا جائے، تو پھر وہ تمام فسادات ایک ایک کر کے پیش آئیں گے، جن کا

پہلے ہو چکا ہے۔

بلاشبہ انسانی عقل وفکر یہاں تک پہنچ سکتی ہے، کہ اس مقصد عظیم کیلئے خالق کس قسم کے اصول وضع کر سکتا ہے، یا یہ کہ جو اصول اس نے وضع کئے ہیں، اگر ان پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا جائے تو یہ مقصد عظیم کس حد تک پورا ہو سکتا ہے، اس نظریہ کو پیش نظر رکھکر جب انسانی عقل وبصیرت غور کرتی ہے، تو یہ سمجھتی ہے کہ خالق کی طرف سے اجتماعی نظام میں حسب ذیل امور کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) اوّل یہ کہ وہ خاص انسان جس کے ذریعہ خالق نے اپنی ہدایات اور قوانین پہنچائے، وہ تمام ان لوگوں کا جنھوں نے اس کے ذریعہ خالق کے قوانین کو تسلیم کیا ہے امیر و حاکم ہو، تاکہ وہ خالق کے بتائے ہوئے قانون کے ماتحت ان لوگوں کو جو حکم دے اس کو وہ لوگ بخوشی انجام دیں اور جن لوگوں سے کبھی قوانین خالق کی خلاف ورزی ہو تو وہ خالق کے بنائے ہوئے قانون اور اختیار کے ماتحت اس کی تنبیہ کرے یا سزا دے سکے، تاکہ قوانین خالق کی خلاف ورزی کا انسداد ہو جائے اور جماعت کے کسی فرد کے ذریعہ انسانی مدنیت اور اسلوب زندگی میں کوئی رخنہ یا فتنہ برپا نہ ہو، اور ان کاموں کی انجام دہی کے لئے خالق ہی کے بتائے ہوئے طریقوں پر وہ عمل کرے۔

(۲) دوسرے یہ کہ جو لوگ خالق کے قوانین کو نہ مانتے ہوں، انکو افہام وتفہیم کے ذریعہ منوانے کی کوشش کرے، اور اس کا مناسب نظم کرے، تاکہ تمام لوگ قوانین خالق کو تسلیم کر کے اس کی جماعت میں شریک ہو کر انسانی مدنیت کی استواری میں حصہ لے سکیں۔

(۳) تیسرے یہ کہ خالق کائنات اس امیر اور حاکم کے لئے یہ اصول وضع کرے کہ جو لوگ افہام وتفہیم سے خالق کے جملہ قوانین کو تسلیم نہیں کرتے اور وہ اپنی کج فہمی یا ضد کی وجہ سے ان تمام حقائق کو نہیں سمجھتے، تو انہیں یہ دعوت دی جائے کہ وہ اپنی زندگی میں ان چند قوانین کی پابندی اپنے اوپر لازم قرار دیں، جو انسانوں کے باہمی معاملات اور مدنیت انسانی کے تحفظ کے لئے ضروری ہیں جن کی خلاف ورزی سے ان کی اور دوسروں کی زندگی تباہ وبرباد ہو سکتی ہے، ان چند قوانین کی پابندی کرنے کی وجہ سے، یہ لوگ اس امیر کی امارت کے حدود میں شامل ہو جائیں گے تاکہ امیر تسلیم شدہ قوانین کے ماتحت ان کی نگرانی کر سکے اور کوئی دوسرا شخص جو خواہ ان کا ہم عقیدہ ہو یا مخالف انھیں نقصان نہ پہنچا سکے

(۴) چوتھے یہ کہ جو لوگ اس قدر کج فہم اور ضدی ہوں کہ صرف عملی زندگی میں ان چند قوانین کی پابندی قبول کرنے کو تیار نہ ہوں اور ہر طرح مطلق العنان رہ کر اپنی ہوائے نفس اور نفسانی خواہشات کی پیروی کر کے انسانی مدنیت کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہوں، ان کے خلاف جہاد وقتال کرنے کا امیر کو اختیار ہو، تاکہ بقائے انسانیت اور تحفظ مدنیت کے لئے وہ لوگ اس امیر کی جماعت میں شامل ہو جائیں، یا بعض قوانین مدنیت میں پابندی کر کے امیر کی اطاعت اور اس کے حدود امارت میں شریک ہو جائیں، تاکہ انسانی مدنیت کے تباہ وبرباد ہونے کا خطرہ جاتا رہے،

ان قوانین کے حدود اور تفصیلات بھی خالق ہی بتا سکتا ہے کہ وہ:

انسانی فطرت کا خالق ہے اور انسانی فطرت کی ہمواری اور ناہمواری کو صحیح طریقہ پر
قائم رکھنے کا اصول وہی جانتا ہے۔

ان چاروں باتوں کو عقل بداہتہً صحیح سمجھتی ہے اس لئے جماعتی اور اجتماعی نظم
کے لیے امیر و حاکم کا ہونا جب ضروری ہوا اور وہ شخص موجود ہے جس کے ذریعہ
خالق کے قوانین انسانوں تک پہونچے ہیں تو قدرۃً ہر انسان جو خالق کو تسلیم کرتا ہے
یہ بھی تسلیم کرے گا کہ تمام لوگوں میں سب سے افضل اور بہتر وہی شخص ہے، اور
جبکہ وہ قوانین کی پابندی اور اس کی خلاف ورزی کا نگراں ہوگا تو اس سے زیادہ
قوانین کے مفہوم اور مصداق کا جاننے والا کون ہو سکتا ہے اس لیے تنہا وہ
شخص انسانوں پر خالق کی طرف سے قوانین کے نفاذ و تنفیذ کے لئے متعین ہوگا
اسی کے ساتھ خالق کو تسلیم کرنے والے یقین کریں گے کہ ہم تو خالق اور خالق کے
قوانین و احکام اس شخص کے ذریعے اس لئے تسلیم کرتے ہیں کہ خالق ہی کا حکم اس
شخص کی اطاعت کا بھی ہے تو ان کے ذہن میں یہ بات پیدا نہیں ہو سکتی کہ وہ
حقیقتہً کسی انسان کی اطاعت کرتے ہیں گویا وہ شخص ایک ایسا دستوری حکمران ہے
جو تمام شکوک و شبہات سے بالاتر ہے۔

لیکن اگر وہ شخص موجود نہ ہو اور اس کے ذریعہ خالق کے بھیجے ہوئے تمام
[illegible] مرتب طریقہ پر موجود ہوں، اور وہ تمام اصول بھی محفوظ ہوں جن
پر اس [illegible] زندگی میں عمل کر کے نظام اجتماعی کو برقرار رکھا ہو تو ایسی صورت
میں گرچہ اس کی ضرورت نہیں کہ خالق کائنات اپنے قوانین کے پہنچانے والے
پیغامبر کو پیدا کرے۔

لیکن بلاشبہ ان قوانین کے نفاذ و تنفیذ، اور اس کی خلاف ورزیوں کے انسداد

کے لئے یا یوں کہا جائے کہ مدنیت اور انسانیت کی استواری و خوشگواری کے لئے جماعتی نظام اور اس کے قیام کی ضرورت بہر حال باقی رہیگی اور وہ انھیں اصولوں پر زیادہ مفید و موثر ہو سکتا ہے جن اصولوں پر خود اس پیغامبر نے خالق کی اصولی تعلیم اور ہدایات کے ماتحت جماعتی نظام قائم کیا ہو اور اس کے قواعد مرتب کئے ہوں۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ جماعتی نظام کیا ہے، اور اس کے قواعد و ضوابط کی تفصیلات کیا ہیں؟ یہ ایک مستقل موضوع ہے جس پر انشاء اللہ دوسرے باب میں تفصیلی بحث کی جائے گی۔
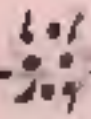
فائن پریس ہیوٹ روڈ لکھنو

ملنے کا پتہ

(۱) مکتبۂ سیفیہ مونگیر (بہار)
(۲) کتب خانہ فخریہ۔ مراد آباد (یو،پی)